جاسوسی دنیا

جلد نمبر 7

21	شاہی نقارہ
22	خون کا دریا
23	قاتل سنگریزے

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر..........خالد سلطان
پرنٹر............ہاشم انٹرپرائزز

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز
الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 21

شاہی نقارہ

(مکمل ناول)

پیش رس

"شاہی نقارہ" ملاحظہ فرمائیے۔

کچھ دن ہوئے ایک دوست نے کہا تھا کہ پیش رس میں کتاب کے بارے میں لکھنے کی بجائے اس صفحے پر "قسمت" کا حال بتایا کرو۔ کتاب کی اشاعت بھی بڑھ جائے گی۔ میں نے کہا مجھے یہ "ودّیا" نہیں آتی۔ کہنے لگے ذہانت کو کام میں لاؤ۔ میں نے کہا نہیں بھائی! میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بولے "اچھا میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ اعلان کرو کہ اس کتاب پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلے جس جانور کا خیال آئے اس کا نام، اپنے نام اور پتے کے ساتھ ہمیں لکھ بھیجئے۔ ہم آپ کو آپ کی آئندہ زندگی کے سارے احوال بتادیں گے۔"

میں حیرت سے ان کی شکل دیکھتا رہا۔ میری دشواری سمجھ کر زور سے ہنسے اور بولے "میاں ہر شخص آئندہ زندگی سے متعلق طرح طرح کے ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے۔ تمہارے بھی کچھ ہوائی قلعے ضرور ہوں گے۔ ان ہی پر نظر رکھتے ہوئے اچھی اچھی پیش گوئیاں کرتے چلے جانا۔ بس ایک تکنیکی نکتہ سمجھ لو۔ وہ یہ کہ کسی کو پانی سے محتاط رہنے کی ہدایت کردینا اور کسی کو آگ سے۔ کراچی کا باشندہ ہو تو صرف ایک ہی ہدایت کرنا کہ پیدل سڑک پار کرنے کی جرأت کبھی نہ کرے۔ اس طرح تمہاری غیب دانی کی بھی دھاک بیٹھ جائے گی اور صفحہ بھی بھر جائے گا۔"

آپ کی کیا رائے ہے؟

والسلام

ابن صفی

کنواری ہرنی

صبح چار بجے سے بارہ بجے تک کی دوڑ دھوپ کے بعد بمشکل تمام ایک ہرنی ہاتھ لگی تھی اور اب وہ اسے ادھیڑنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ نوکروں نے لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگا دی اور وہ جلد سے جلد اسے ادھیڑ کر آگ میں ڈال دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں سب کے سب اناڑی تھے۔ کسی ذبح کیے ہوئے جانور پر سے کھال الگ کرنا آسان کام نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں اور زیادہ دشواری آپڑتی ہے جب کھال کو صحیح وسلامت اتارنے کا مسئلہ درپیش ہو، سرجنٹ حمید نے جو سارا اہتمام دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ حالانکہ اس نے صبح کو بڑا گھرا ناشتہ کیا تھا۔ مگر جنگل کی دوڑ دھوپ میں اس کی افادیت دو گھنٹے سے زیادہ قائم نہ رہ سکی تھی اور تقریباً دو گھنٹے سے اس کی آنتیں غالب کا "حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" والا شعر یاد کرنے کی کوشش میں مشغول تھیں۔ ان تین دنوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا تھا جس میں اس نے بھوک کی شکایت کی ہو۔ شکار میں یوں بھی تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن جب فریدی جیسے آدمیوں کا ساتھ ہو تو یہ تھوڑی بہت تکلیف مصیبتوں کا پہاڑ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ شکار کے سلسلے میں اس کا مقولہ تھا کہ شکار کا مطلب روزمرہ زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شکار میں بھی آرام و آسائش برقرار رہے تو پھر فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ اگر شکار میں بھی پکا پکایا کھانا سامنے آگیا تو پھر جیسے گھر ویسے شکار گاہ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں کافی، چائے، شکر، دودھ کے ڈبے اور کچھ دوسرے لوازمات کے علاوہ کسی اور چیز کی اجازت نہیں دی تھی۔ صرف حمید اپنے ساتھ مچھلیوں کے دو تین ڈبے چھپا کر لایا تھا جس میں سے وہ صرف ایک

ہی استعمال کرپایا تھا کہ فریدی کی نظر پڑ گئی اور اس نے بقیہ کو دریا برد کر دیا اور حمید نے اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی سراسر اپنا ہی نقصان تھا۔

شکاریوں کی پارٹی آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں کچھ فریدی کے دوست تھے اور ان کے علاوہ دو تین نوکر۔ وہ اپنے ساتھ دو تین چھوٹی چھولداریاں لائے تھے جن کے نیچے رات بسر کی جاتی تھی ورنہ دن بھر تو سر پر کھلا ہوا آسمان ہوتا تھا۔ چونکہ بارش کا زمانہ تھا اس لئے دھوپ تو شاذونادر ہی ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی ہوا تبدیل ہو جاتی اور اتنا شدید حبس ہو جاتا کہ انہیں اپنی قمیض تک اتار پھینکنی پڑتی اور یہ سمجھتے کہ اب موسلادھار بارش شروع ہو جائے گی۔ مگر جب تھوڑی سی بوندا باندی کے بعد بادل پھٹنے لگتے تو ان کی جان میں جان آتی وہ لوگ دراصل آبادی سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اگر سچ مچ موسلادھار بارش شروع ہو جاتی تو کہیں پناہ ملنی مشکل تھی۔ بھلا کینوس کی چھولداریاں کب تک بارش کا بار سنبھالتیں۔

آج بھی صبح ہی سے بارش کے آثار تھے۔ لیکن پچھلے تجربات کی بناء پر وہ اس کی طرف سے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ ان میں صرف حمید ہی ایک ایسا تھا جس نے کبھی اس مسئلے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت تو یہ سوچنے میں صرف ہوتا تھا کہ اگر اتفاق سے شکار نہ ملا تو کیا ہوگا۔ پرندے بھی نہ ملے تو رات کیونکر گزرے گی۔ کیا صرف کافی یا چائے پی پی کر بھوک بھلائی جاسکتی ہے؟ اسے فریدی کے ساتھ شکار میں اکثر بڑے تلخ تجربات ہوئے تھے۔ اس کا ایک خبط حمید کو بُری طرح کھلتا تھا۔ وہ یہ کہ وہ ہمیشہ پرندوں یا جانوروں کو ہوشیار کر دینے کے بعد ان پر گولی چلاتا تھا۔ لہٰذا اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دن بھر جھک مارنے کے باوجود وہ ایک پرندہ بھی شکار نہ کرپاتے اور پھر روکھی روٹیاں چائے یا کافی میں ڈبو ڈبو کر کھائی جاتیں۔ آج بھی وہ کئی پرندے شکار کر لیتے لیکن فریدی کی جدت طرازیوں سے ناکام رہے اس نے دونالی بندوق سنبھال رکھی تھی۔ پہلے وہ ایک ہوائی فائر کر کے پرندوں کو اڑا دیتا پھر ان پر فائر کرتا۔ اتفاق سے آج اس کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ اگر اشرف نے ایک ہرن نہ مار لیا ہوتا تو پھر چائے اور خشک روٹیوں کی نوبت آجاتی۔

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے ساتھ رہ کر تفریح بھی زحمت بن جاتی ہے اس لئے وہ احتیاطاً مچھلیوں کے شکار کا سامان بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ مگر اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہئے کہ اس علاقے میں

اسے ایک بھی ایسا تالاب یا پوکھر نہ مل سکا جہاں وہ مچھلیاں پھنسا سکتا۔ قریب ہی ایک ندی تھی مگر کسی تیز رفتار ندی میں اول تو مچھلیاں لگتی ہی نہیں اور اگر اتفاق سے ایک آدھ لگی بھی تو وہ اکثر اپنے ساتھ ڈور اور چرخی بھی لے جاتی ہے۔ حمید نے دو تین بار اس ندی میں شکار کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک کانٹا اور ایک بنسی کھو دینے کے بعد بقیہ پر اسے کافی رحم آیا اور اس نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا۔

اس وقت بھی وہ مچھلیوں ہی کے متعلق سوچ رہا تھا اور اس کے ساتھی ہرن کی کھال اتارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی رائفل کا معائنہ کر رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کھال اتارنے کے بعد اس کے ٹکڑے کئے جائیں گے اور اس میں تقریباً ایک گھنٹہ ضرور لگے گا۔ دفعتاً اس کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔

"ارے بھائی صاحب کیا تم لوگوں کے عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" وہ بیٹھے بیٹھے ہنکارا۔

"کیوں؟" اشرف بھنویں تان کر بولا۔

"دیکھتے نہیں ہو کہ یہ مادہ ہے۔"

"تو پھر.....!"

"اور اس کے تھنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ایک بار بھی بچے نہیں دیئے۔"

حمید نے محققانہ انداز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" شاہد بولا۔

"فوراً پیٹ چاک کر دو اس کا۔"

"چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔" اشرف نے کہا اور پھر کھال اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

"میں کہتا ہوں ورنہ تمہارے فرشتے بھی اس کا گوشت نہ کھائیں گے۔"

"کیوں.....!"

"اگر کلیجی کا پتہ پھٹ گیا تو سارا گوشت کڑوا ہو جائے گا۔"

"پتہ کیسے پھٹ جائے گا۔" ساجد نے کہا۔

"شکاری کی دم بنے ہیں۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "کبھی اور بھی شکار کھیلا تھا۔ میاں صاحب زادے کنواری ہرنی کو ذبح کرنے کے بعد فوراً ہی اس کی کلیجی باہر نہیں نکال لی جاتی تو پتہ خود بخود

پھٹ جاتا ہے۔"

فریدی کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ ماردی۔

"تو پھر.....!" نعیم نے پوچھا۔

"پیٹ چاک کر کے کلیجی نکال پھینکو۔" حمید نے کہا۔

"کھال نہ خراب ہو جائے گی۔" شاہد نے پوچھا۔

"پھر وہی ڈیوٹ پن کی باتیں۔ کیوں کیا پانی بھرنے کا مشکیزہ بناؤ گے؟"

"نہیں تو.....!"

"پھر پیٹ چاک کر دینے میں کیا مصیبت ہے۔"

فریدی پہلے تو حمید کو گھورتا رہا پھر چپکے سے اٹھ کر کھسک گیا۔

"نہیں کھال خراب ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"پھر وہی اناڑیوں جیسی باتیں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں یار کیا کر رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

لیکن حمید نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ہرنی کا پیٹ چاک کر دیا۔

"ٹھہرو..... ٹھہرو۔" اس نے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنتیں کھینچتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے نرخنی کاٹ کر کلیجی کی واڑ باہر نکال لی اور اسے ہاتھ میں لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں.....؟" نعیم نے اسے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اسے پھینک آؤں.....؟" حمید نے کہا۔

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔" اشرف بھنا کر بولا۔

"یار اناڑیوں سے خدا ہی بچائے! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس سے پہلے کبھی تمہیں ہرن وغیرہ کا شکار کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا تو ساتھ لانے پر کبھی رضامند نہ ہوتا۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"ارے یہ کنواری ہرنی کی کلیجی ہے۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"تو پھر.....!"

"پہلے بخار آئے گا اور پھر کوڑھ تک ہو جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں اور اگر بالکل ہی

کنواری ہرنی ہوئی تو اس سے بھی بدتر حالت ہو سکتی ہے۔"

"ہم نے تو کبھی نہیں سنا۔" نعیم نے کہا۔

"تم نے یہ بھی نہ سنا ہو گا کہ ہرنی بھی کنواری ہوتی ہے۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے بظاہر زچ ہو کر کہا۔

"فریدی سے پوچھیں گے۔" ساجد بولا۔

مگر فریدی پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ اس نے حمید کی نیت بھانپ لی تھی۔ لہٰذا وہ نہ تو حمید کی طرف سے بُرا بننا چاہتا تھا اور نہ دوسرے دوستوں کی طرف سے۔

"آپ جائیں جہنم میں۔" حمید نے جھنک کر کہا "اگر ایک آدھ بار بیمار پڑ گیا تو کہاں لادے پھریں گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا چھولداریوں کے پیچھے آیا اور یہاں جوتے اتار کر پنجوں کے بل جو دوڑ لگائی تو سر کنڈوں کی کھائیوں ہی میں آ کر دم لیا۔

پھر اس نے جلدی جلدی خشک لکڑیاں چنیں اور ان میں آگ لگا کر کلیجی کی ڈاڑ اس پر رکھنے ہی جا رہا تھا کہ ایک چیل نے کسی طرف سے جھپٹا مارا اور کلیجی کی ڈاڑ اس کے ہاتھ سے صاف نکال لے گئی۔ حمید کے منہ سے بے اختیار ایک موٹی سی گالی نکلی اور وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

سیر ڈیڑھ سیر کا وزن چیل کے بس کا روگ نہیں گا۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد کلیجی کی ڈاڑ اس کے پنجوں سے چھٹ پڑی اور حمید شکاری کتے کی طرح اس کی طرف جھپٹا لیکن اس بار اس کی امیدوں پر باقاعدہ طور پر اوس پڑ گئی۔ کلیجی کی ڈاڑ کسی چوپائے کے تازہ کئے ہوئے گوبر میں لتھڑی پڑی تھی۔

چیل سامنے ہی ایک درخت پر بیٹھی شاید اس مال غنیمت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے امکانات پر غور کر رہی تھی۔

حمید نے بھنا کر ایک بڑا پتھر اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا اور پھر اسے فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے خون کی حدت اور زیادہ بڑھا دیا کرتی تھی۔

فریدی نے اس کی طرف رائفل بڑھائی۔

"کیا ہے.....!" حمید جھلا کر بولا۔

"پرندوں پر پتھر چلانا ظلم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پتھر تو صرف ان بچوں پر چلائے جاتے ہیں جو کسی سنجیدہ بزرگ کے پیچھے تالیاں بجانے چلتے ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تمہیں سمجھا بجھا کر واپس لے جانا..... کیا تم نے بچپن میں نانی اماں سے نہیں سنا کہ چیل کو مارنے سے کانوں میں درد ہوتا ہے۔"

"خدا کی قسم.....!"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آؤ چلیں شاباش.....!"

"نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا جی.....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑلی۔ "دھوکے باز! مکار..... ان بے چاروں کو اُلو بنا کر کلیجی لے اڑے تھے۔ فرزندمن! کنواری ہرنی کی کلیجی کوئی شادی شدہ چیل ہی ہضم کر سکتی ہے۔"

"گردن تو چھوڑیئے۔" حمید نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"شامت منڈلا رہی ہے، تمہارے سر پر۔"

"شامت نہیں موت کہئے۔" حمید نے جل کر کہا۔ "آپ کے ساتھ تفریح بھی عذاب بن جاتی ہے۔"

"آگے بڑھو..... آگے۔" فریدی اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔ "ابھی تو وہاں تمہاری بنے گی۔"

"خدا کی قسم کہے گا نہیں کسی سے۔" حمید نے پلٹ کر کہا۔

"کیوں؟"

"اب بتاؤں کیوں..... کیوں..... کیوں.....!" حمید جھنجھلاہٹ میں تقریباً ناچتا ہوا بولا۔

"چلتے ہو.....یا ایک کندہ رسید کروں۔" فریدی نے رائفل کی نالی پکڑ کر کندہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ادھر اشرف نے اپنی انگلی کاٹ لی تھی اور چھری پھینک پھانک کر الگ جا کھڑا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کو آتے دیکھ کر اس نے کنواری ہرنی کی کلیجی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"بھئی مجھے ہرنوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔" فریدی نے کہا۔
"لیکن یہ کیا! کیا انگلیاں کاٹ لیں۔ یار تم لوگوں سے ایک ہرنی کی کھال نہیں ادھیڑی جاتی۔
اچھا بھئی حمید! سبھی جانتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ لگے بغیر کوئی کام ٹھیک نہیں ہو گا۔"
حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا اور پھر ہرنی پر ٹوٹ پڑا۔
"ارے کھال....!" اشرف چیخا۔
"ہات تمہاری کھال کی ایسی تیسی۔" حمید چیخ کر بولا۔ "یہاں بھوک کے مارے حال پتلا ہے اور آپ کو کھال کی پڑی ہے۔"
دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھال کے پرخچے اڑا دیئے اور کئی جگہ سے کھال کے ساتھ گوشت بھی ادھیڑ ڈالا۔ جب کھال الگ ہو گئی تو ایک نوکر بولا۔
"حضور کھال کھینچنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔"
"جی.... تو اب تک.... کہاں مرے ہوئے تھے آپ۔"
"پچھلی ٹانگوں کی کھال نکالنے کے بعد اسے الٹا اٹھا کر کھال کھینچ لی جاتی ہے۔"
"بس دفان ہو جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ورنہ میں یہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔"
"ارے صاحب آپ لوگ خود ہی تو بھڑ گئے تھے ورنہ ہم لوگ ساتھ کس لئے آئے ہیں۔" نوکر نے کہا۔
"اچھا تو اب اس کے ٹکڑے کرو۔" حمید دانت پیستا ہوا بولا۔ "ورنہ تھوڑی دیر بعد آکر کہو گے کہ ٹکڑے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہرن کو اپنے اوپر سوار کرنے کا موقع بخشا جائے۔"
حمید چھری پھینک کر الگ ہٹ گیا۔
تھوڑی دیر بعد نوکروں نے ہرنی کے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں نمک لگا کر بھونا جانے لگا۔
حمید بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل رہا تھا۔
"یار تمہاری بھوک بھی قیامت ہے۔" اشرف بولا۔
"میں تمہاری طرح مریض تو ہوں نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔
بھوک تو قریب قریب سبھی کو لگ رہی تھی۔ اس لئے بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔
جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ادھر ادھر کی باتیں چھڑ گئیں۔ فریدی انہیں اپنے

انگلینڈ کے تجربات بتا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے لے کر ایسٹ انڈیا کے گھریلو قحبہ خانوں تک کے حالات بتائے۔

"اور جناب نے کیا سیکھا۔" نعیم نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بوسہ لینے کے پچاس نئے طریقے۔" حمید اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہڈی کو نہایت انہماک سے جھنجوڑتا ہوا بولا۔

یہ بات اس نے اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ فریدی بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن حمید اس بری طرح اس ہڈی سے بھڑا ہوا تھا کہ اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

"اور یہ کہ اگر.....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "انگلینڈ میں کسی لڑکی کے سر پر پنجہ مریم کی پتیاں رکھ کر اس کا بوسہ لے لو تو وہ قطعی برا نہیں مانتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر گنوا چلوں تمہاری حماقتیں۔" فریدی نے کہا۔

"غپ اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔"

"اچھا.....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تو کیا یہ غپ ہے کہ ایک نائٹ کلب میں ایک عورت نے.....!"

فریدی نے بات پوری نہیں کی تھی کہ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اشرف کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ذرا آپ کا حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔"

"ہاں تو کیا ہوا تھا۔" اشرف نے حمید کی بات اڑا کر فریدی سے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ اس بدتمیزی سے نہ کھاؤ کہ دوسروں کو تے ہو جائے۔" حمید نے کہا۔

"ہمارے ڈان ژوان حمید صاحب نے.....ایک عورت کو مدعو کیا۔"

"نعیم! یار تم نہ ہوئے۔" حمید نے پھر بیچ ہی سے بات اڑا دی۔ "کتنا شاندار استقبال ہوا ہے فریدی صاحب کا کہ واہ وا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفیسر تو گویا بچھے جا رہے تھے۔"

"اور وہ عورت نشے میں بری طرح دھت تھی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ دھت کیا بلا ہے۔" حمید نے پھر ہاتھ پیر مارے۔ "دھت دھت.....دھت.....

ہاہاہا۔"

"بیٹے حمید خاں نے اسے اور پلا دی۔" فریدی رومال سے ہاتھ صاف کر کے سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کھائیے نا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اتنا ہی۔"

"اور جب اسے بہت زیادہ چڑھ گئی تو.....!"

حمید نے پھر ہلڑ مچا کر اسے آگے نہ کہنے دیا۔

"یار تم سب اور کھاؤ..... ابھی اور کھاؤ..... کھاؤنا..... ارے اشرف تم بھی کھا چکے ہو۔"

"تو پھر اس نے.....!"

اب حمید نے باقاعدہ حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی پھر بولا۔

"تو پھر اس نے حمید کا گریبان پکڑ لیا۔"

"گریبان پکڑ لیا۔" اشرف نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں گاڑیبان پکڑ لیا اور اپنے گھر چلی گئی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "کیا شاندار غپ ہے..... کیا کہنا۔"

"اور پھر وہ.....!"

"کیا آپ خواہ مخواہ..... " حمید بھنا کر بولا۔

"کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"تم کیوں کود رہے ہو۔" حمید اس پر پلٹ پڑا۔

اور پھر دونوں میں باقاعدہ تکرار شروع ہو گئی اور فریدی اٹھ کر ایک چھولداری کے اندر چلا گیا۔

بدقت تمام بقیہ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے بات مجھے ہی معلوم ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"یار تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے۔" شاہد نے حمید سے کہا۔

روایتی کتا

اور پھر سب کے سب حمید کی جان کو آگئے۔

"یار کیوں خواہ مخواہ بھیجا چاٹ رہے ہو تم لوگ۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

پھر چیخ کر فریدی کو آوازیں دینے لگا۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے چھولداری سے نکال کر کہا۔ "اس عورت نے حمید سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اشرف برا سامنہ بنا کر بولا۔ "تو اس پر اتنی اچھل کود کیوں مچا رہے تھے۔ نہیں کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر اپنا سر اندر کھینچ لیا۔

"جناب والا....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "یقیناً کوئی اور بات ہے اور آپ اس بات کو سننے کی تاب نہ لا سکیں گے۔"

انہوں نے پھر اسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو سنو....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تم اس عورت سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ بابا میرا پیچھا چھوڑو۔ تم سب بھی میرے باپ ہو۔"

چھولداری میں فریدی کے قہقہے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل آیا۔

"وہ سالی تو خیر نشے میں تھی.... مگر یہ.... کم بخت۔"

"خیر بھئی سنو....!" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔

"جی بس آرام کیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "میں خود....!"

اس نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ یک بیک بڑی بڑی بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں اور وہ سب بے ساختہ چھولداریوں کی طرف بھاگے۔ تقریباً پانچ منٹ تک بہت تیزی سے بوندیں گرتی رہیں پھر دھوپ نکل آئی اور سب سے پہلے حمید نے بوکھلا کر اپنی قمیض اتار پھینکی۔ ہوا قطعی بند ہو گئی تھی۔ بھیگی ہوئی زمین سے انجرات نکلتے معلوم ہو رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اس حبس میں اچھی لگنے کے بجائے گراں گزر رہی تھی۔

آہستہ آہستہ سب نے اپنی قمیصیں اتار پھینکیں اور چھولداریوں سے باہر نکل آئے۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے موجود تھے اس لئے کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں۔ باہر بھی انہیں سکون نہ ملا اور وہ پھر چھولداریوں میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد پیٹ بھرے مگرمچھوں کی طرح اونگھنے لگے۔ نہ جانے

وہ کب تک سوتے رہے اور جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے انہیں بارش کا شور سنائی دیا۔ یا شاید اسی شور ہی کی وجہ سے وہ جاگ پڑے تھے۔

موسلادھار بارش ہو رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا ریلا چھولداریوں میں در آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی زمین سے بستر اٹھا کر واٹر پروف تھیلوں میں بھرنے شروع کر دیے۔

"یہ تو برسنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"مگر مجھے تو یہ لڈو بانٹنے والا ہی جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔ وہ اپنے جوتے اتار کر کینواس کے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ پھر اس نے پتلون کے پائینچے موڑ کر پنڈلیوں تک چڑھا لیے۔

آہستہ آہستہ چھولداریاں بھی ٹپکنے لگیں۔

"اب کیا ہو گا....؟" کسی نے کہا۔

پھر وہ فریدی کی تجویز پر اس اسٹیشن ویگن کی طرف بھاگے جس پر وہ سامان سمیت یہاں تک پہنچے تھے۔ اندر گھس کر انہوں نے کھڑکیوں کے شیشے گرا دیے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ نوکروں اور دیہاتی رہبر نے ایک گھنی شاخوں والے برگد کے درخت کے نیچے پناہ لی۔

"سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔" اشرف بولا۔

"حیرت ہے کہ تم لوگ بے سروسامانی سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔"

فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لطف تو اس وقت آتا جب یہ موٹر بھی نہ ہوتی۔"

"تو بسم اللہ!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "راستہ یہ ہے۔ باہر تشریف لے جائیے۔ لطف ہی لطف بکھرا پڑا ہے۔"

وہ سب ہنس پڑے اور فریدی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"ایسے ہی موقعوں پر صحیح معنوں میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" فریدی نے مڑ کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پھر بھنا کر بولا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ پچھلی برسات میں ایک مینڈک نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

"ضرور کہا ہو گا.... راز کی باتیں اپنوں ہی سے کہی جاتی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اس پر پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بارش تھمنے کے آثار نظر نہیں آتے تھے اور اندھیرا تھا کہ پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر دفعتاً حمید نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ کیا ساری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ اگر شروع ہی میں چل پڑے ہوتے تو اس وقت ہم کسی گاؤں ہی میں پناہ لے سکتے تھے۔"

"بھئی تو مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح بارش ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جلی کٹی کہنے کے لئے منہ بنایا ہی تھا کہ نوکر دوڑتے ہوئے اسٹیشن ویگن کی طرف آئے۔

"صاحب! ندی بڑھ رہی ہے۔" دیہاتی راہبر ہانپتا ہوا بولا۔

"کیا.....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں! تھوڑی دیر بعد یہاں قدم جمانا دشوار ہو جائے گا۔"

"تب تو بھئی اکھاڑو چھولداریاں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔" حمید پھیل گیا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"واہ زندگی کا لطف اٹھانے کا موقع پہلی بار نصیب ہوا ہے۔ میں اسے ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔"

فریدی کچھ اور کہے بغیر ویگن سے اتر گیا اور چھولداریاں اکھڑوانے میں نوکروں کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی حمید کے علاوہ سب اتر آئے اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ بھیگی ہوئی چھولداریاں ویگن میں رکھی جانے لگیں۔ حمید نے ایک طرف ہٹنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر ایک چھولداری اس پر پھینک ہی دی گئی۔ وہ بے اختیار چیخ کر سامنے والی سیٹ پر جا گرا۔ بڑی خیریت یہ ہوئی کہ اس چھولداری میں کسی نوکر نے ہاتھ نہیں لگا رکھا تھا ورنہ حمید اس کی بوٹیاں نوچ لیتا۔ پھر بھی اسکے منہ سے بے تحاشہ ایسے الفاظ نکلنے لگے جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

"کیا فضول نائیں لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"جہنم میں..... گگ.....!"

"شٹ اپ.....!"

"خیر کبھی دیکھ لوں گا....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"اس تفریح میں تمہارا بھی حصہ تھا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نوکر بھی اندر آگئے اور دیہاتی راہبر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ ویگن چل پڑی۔

اس دوران میں بوندوں کا زور کم بھی ہوا اور پہلے سے زیادہ بھی لیکن تار نہیں ٹوٹا۔ چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ فریدی راہبر کے بتائے ہوئے راستوں پر ویگن کو لئے جا رہا تھا۔ لیکن دو ایک جگہ اس کی ہچکچاہٹ پر اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں۔

"بھئی تم بھولتے تو نہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"خدا کرے تم بھول ہی رہے ہو۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

لیکن وہ سب کچھ اس طرح بدحواس تھے کہ انہوں نے حمید کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد یہ بات ان پر اچھی طرح واضح ہو گئی کہ راہ بتانے والا خود ہی بھٹک گیا ہے۔ اس آندھی اور طوفان میں اس کے امکانات پہلے ہی سے موجود تھے۔ شکار گاہ میں آتے وقت وہ ندی کے کنارے آئے تھے، لیکن واپسی میں یہ چیز قطعی ناممکن تھی کیونکہ ندی کا پاٹ کافی بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے سے ایک تیز بہنے والی ندی تھی اور اس وقت تو اس کا پانی دور دور تک پھیل رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں بھئی کیوں!" کسی نے کہا۔

"آگے نالہ معلوم ہوتا ہے کیا آواز نہیں سن رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں آگے بڑھنا بھی خطرناک ہے۔"

"اور پیچھے ہٹنے میں بھی اللہ میاں کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس داہنے یا بائیں سے نکل چلئے۔ اللہ نے چاہا تو بیڑا کھرا پار ہے۔"

"شٹ اپ....!"

حمید نے قہقہہ لگایا اور سب کو اس کی بے وقت کی شہنائی کھلنے لگی۔

فریدی نے ویگن گھمائی ہی تھی کہ دفعتاً دیہاتی رہبر نے رکنے کے لئے کہا۔

ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں دور ایک عمارت سی دکھائی دی۔

"شاید ہم یدھ راج نگر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" رہبر نے کہا۔ "لیکن نالہ۔ یہاں واقعی ایک نالہ پڑتا ہے۔"

"نالہ کس قسم کا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"معمولی سا۔" رہبر نے کہا۔ "ہم بآسانی اسے پار کر سکیں گے۔"

"کہیں پناہ بھی مل سکے گی۔" اشرف نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! نواب صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"کون نواب صاحب۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب صولت مراد، یدھ راج نگر کے جاگیردار۔"

"اب کہاں جاگیردار ہیں۔" نعیم منہ بنا کر بولا۔

"نہ ہوں گے۔" رہبر نے کہا۔ "مگر اب بھی پورا قصبہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور کچھ اسی قصبے پر منحصر نہیں۔ قرب وجوار کا سارا علاقہ اب تک ان کی مٹھی میں ہے۔"

"ہوگا بھی ہوگا۔" فریدی کھڑکی کھول کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ یہاں پانی ٹخنوں سے اونچا تھا۔ اس نے اندر سے اپنی رائفل اٹھائی اور اس کے کندھے سے زمین ٹٹولتا ہوا ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ اچانک کمر کمر پانی میں نظر آنے لگا۔ غالباً اس وقت نالے میں تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ نالہ پار کرکے پھر کنارے کی طرف لوٹ آیا۔

"چلو اترو....!" اس نے انہیں پکار کر کہا۔ "لائٹ آف کردو۔"

نوکروں کے علاوہ اور سب اتر پڑے۔ پھر وہ بھی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

نالہ پار کر جانے کے بعد وہ دیہاتی راہبر کے پیچھے چلنے لگے۔ بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں۔ مگر زیادہ تیز نہیں تھیں۔ البتہ ہوا کے جھونکے تند ہوتے جا رہے تھے۔ سناٹے میں جھونکوں کی شائیں شائیں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ وہ چلتے رہے۔ دفعتاً قریب ہی کہیں سے کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اور راہبر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے چاروں طرف ٹارچ کی

روشنی ڈالنی شروع کی اور پھر فریدی کی طرف مڑا۔

"صاحب یہ تو....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ہم پھر غلط آگئے۔"

"عجیب آدمی ہو تم۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ابھی ابھی تم نے کسی قصبے کا نام لیا تھا۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن..... لیکن وہ سنئے۔" وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"کیا سنوں۔"

"کیا آپ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔" راہبر نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تم نے۔"

"حضور..... یہ سنئے..... یہ آواز۔"

"کیوں؟ یہ کسی شیر یا بگڑے ہوئے ہاتھی کی آواز تو نہیں۔ صرف کتے کی ہے اور وہ بھی بے چارہ رو رہا ہے۔"

"مگر صاحب یہ معمولی کتا نہیں ہے۔" راہبر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو" فریدی نے بیزاری سے کہا۔ "میں کتوں کے متعلق تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"صاحب چاہے گردن کاٹ ڈالئے میں تو ادھر سے ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"کیوں بھئی آخر کیوں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "اس وقت بھی ہمارے پاس چھ رائفلیں ہیں۔ ہم نہایت آسانی سے اسے ختم کر دیں گے۔"

"رائفلیں۔" راہبر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔ "جو کتا سینکڑوں برس سے زندہ ہو۔"

"کیا آپ نے سردار یدھ راج کی گڑھی کے کتے کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا۔"

"ارے تو سناؤ نا بابا جلدی کرو! ورنہ اگر پھر بارش تیز ہو گئی تو ہم سب جہنم رسید ہو جائیں گے۔"

"وہ زمین پر نہیں ہے۔" راہبر نے کہا۔ "اس کی آواز اوپر سے آتی ہے اور وہ جب بھی روتا ہے ندی میں باڑھ ضرور آتی ہے اور ندی کے کنارے بسے ہوئے گاؤں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔"

فریدی نے ایک پرزور قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"صاحب خدا کے لئے۔" راہبر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہاں کوئی اس کا مضحکہ اڑانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ کوئی خبیث روح ہے۔"

"شش آگے چلو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں اس سے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ سن چکا ہوں۔"

"تو دوسری ہی طرف سے چلئے نا۔" حمید نے جھلا کر کہا

"نہیں محترم آپ اس معاملے میں قطعی دخل نہ دیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔ لیکن راہبر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی پھر فریدی حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ مری جا رہی ہیں۔ یہاں کئی مرد آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ گھبرایئے نہیں۔"

حمید نے بھنا کر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے۔ وہ سالی گڑھی دڑھی میں آگے چلتا ہوں۔ گویا کہ مجھے الو کا پٹھہ سمجھتے ہیں۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر راہبر سے مخاطب ہو گیا۔

"تو تم ہمیں اس گڑھی ہی کی طرف لے جا رہے ہو۔"

"صاحب بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو۔"

"اس معاملے میں ہمارے باپ دادا بھی ڈرپوک ہی تھے۔ لوگ دن کے وقت ادھر سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"ہم تمہیں باندھ کر لے چلیں گے۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"یوں تو آپ مجھے یہیں قتل کر کے دفن بھی کر سکتے ہیں۔" راہبر نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں نہیں بھائی، ہم زبردستی نہیں کرتے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم چلو راہ بتا کر واپس جا سکتے ہو۔"

"واپس اکیلے...... یہ ظلم ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"تم نے ناک میں دم کر دیا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "نہ الٹا چلتے ہو اور نہ سیدھا۔"

"تو حضور کترا کر نکل چلئے نا۔ آپ لوگ بھی کافی بھیگے ہوئے ہیں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کتے کے رونے کی آواز پھر آئی اور راہبر کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "کون کون چلے گا میرے ساتھ۔"

"یار ہٹاؤ بھی۔" اشرف بولا۔

"خدا کے لئے اس حال میں تو طبیعت کو قابو میں رکھو۔" شاہد نے کہا۔ "ہم لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں اور اگر جلدی ہی بھیگے کپڑے نہیں اتار ڈالتے تو شاید بیمار بھی پڑ جائیں۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ جاؤ۔"

"بعض اوقات بڑی الجھنوں میں ڈال دیتے ہو۔" اشرف نے جھلا کر کہا۔

"سب بے کار ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ کے ساتھ سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ آپ بچپن ہی سے موت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مگر موت ہے کہ منہ لگانے پر تیار ہی نہیں ہوتی۔ تم لوگ جاؤ ورنہ ساری رات یہیں کھڑے کھڑے گزر جائے گی۔"

تھوڑی دیر تک سب کے سب کھڑے جھنجھناتے رہے۔ آخر فریدی پھر بولا۔

"فضول وقت نہ برباد کرو ورنہ زیادہ رات گزر جانے پر کسے جگاتے پھرو گے۔ میں کسی ناراضگی کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ جلدی کرو۔"

"تم لوگ جاؤ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بھی سرکاری آدمی ہوں۔ بھوتوں کی مردم شماری میں مجھے بھی فریدی صاحب کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

"کیا عورتوں کی طرح جلی کٹی سنا رہے ہو۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے۔"

تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی اور پھر حمید کے علاوہ اور سب راہبر کے ساتھ ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں جاتا۔"

فریدی ٹارچ کی روشنی میں آواز کی سمت چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد کسی بہت بڑی

عمارت کے کھنڈر نظر آنے لگے جن میں کئی بڑے بڑے مینار تھے۔ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ کتے کے رونے کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔

فریدی نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اس وقت بارش بالکل تھم گئی تھی اور مینڈکوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی وہ آواز.... اس روایتی کتے کی آواز اس شور پر حاوی تھی۔

وہ دونوں اس چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے قلعے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لکھوری اینٹوں کی مضبوط دیواروں کے آثار اب بھی قائم تھے اور کہیں کہیں تو دیوار اپنی اصلی جسامت کے ساتھ اب بھی اپنی پائیداری کے افسانے سنا رہی تھی۔

کتے کے رونے کی آواز کہیں قریب ہی سے آئی اور حمید بے ساختہ چیخ اٹھا۔

"خدا کی قسم اوپر ہی سے آ رہی ہے۔" اس کا ہاتھ ایک طرف اٹھا ہوا تھا اور پھر پس منظر میں صرف مینڈکوں کا شور جاری رہا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور اینٹوں کے ڈھیر حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کئی اونچے اونچے مینار تھے جن میں سے دو ایک اچھی حالت میں بھی تھے۔ دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا قریب ہی کوئی دیوار گری اور کتا پھر رونے لگا۔

فریدی ٹارچ سمیت تیزی سے پلٹا اور روشنی کا دائرہ ایک مینار کے نچلے حصے سے پھسلتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا۔ آواز یقیناً اسی مینارے پر سے آتی تھی۔ سرجنٹ حمید اس کے قریب آ گیا۔

"یہ لگیا.... کیا.... معام.... رہے۔"

"شش.... ڈرپوک۔" فریدی اس کا شانہ تھپتھپا کر منارے کی طرف بڑھا۔

آواز پھر سنائی دی اور حمید ایک دبی سی چیخ کے ساتھ اچھل کر فریدی سے ٹکرا گیا۔

"اوپر سے.... اوپر سے....!" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں منارے کے نچلے حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا قطر سات آٹھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ ایک جگہ دروازے کے آثار بھی معلوم ہوئے۔ لیکن اب وہاں اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ فریدی نے ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک روشنی ڈالی۔

"بظاہر کوئی ایسا راستہ نہیں معلوم ہوتا۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"جس سے کسی کتے کے گھسنے کے امکانات ہوں۔"

"گھسنے کے امکانات!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عقل کے ناخن لیجئے وہ سینکڑوں

سال سے.....!"

"ہشت.....!"

فریدی نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور اسے ہاتھ میں لے کر تولنے لگا۔ جیسے ہی منارے کے اوپری حصے سے آواز نکلی اس نے وہ پتھر اوپر کی طرف پھینکا۔ کھٹاکے کی آواز آئی۔ پتھر نشانے پر بیٹھا تھا۔ لیکن کتے کی آواز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

"یہ کیا کرنے لگے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی جواب دینے کے بجائے پھر پتھر اٹھانے کے لئے جھکا۔

اس بار پھر اس نے آواز نکلتے ہی پتھر چلایا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"کتا نہیں ہے..... آؤ چلیں..... پھر دیکھیں گے..... ارے تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے..... اُلو کہیں کے۔"

"کیا معاملہ ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو لیکن..... کتا..... ارے۔" فریدی نے جست لگائی لیکن قریب ہی کی ایک گرتی ہوئی دیوار کی زد سے نہ بچ سکا۔ سرجنٹ حمید کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ کتا پھر مکروہ اور خوفناک آواز میں رونے لگا۔

جان پہچان

ہوش آتے ہی فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب سر نہ اٹھا سکے گا۔ کچھ دیر قبل پیش آیا ہوا واقعہ اس کے ذہن میں ابھرنے لگا اور اس نے زمین پر چت لیٹے ہی لیٹے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی کنویں میں پڑا ہو۔ لکھوری اینٹوں کی دیواریں ایک دائرے کی شکل اس کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ پھر دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کنواں تیزی سے گردش کرنے لگا ہو۔ زمین میں عجیب طرح کی آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔

ایک بار پھر اس نے سنبھالا لیا اور تحیر آمیز انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے تو اینٹوں کے ڈھیر میں ہونا چاہیے تھا پھر۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔ اس کنویں کی تہہ بالکل خشک اور کسی کمرے کے فرش کی طرح صاف و شفاف بھی۔۔۔۔ کیوں؟ وہ بے تحاشہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے حمید کو دیکھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے بھی سر ہی میں چوٹ آئی تھی اور کچھ خراشیں پیروں میں بھی تھیں۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ وہ کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا پھر دفعتاً سیدھا کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ سر میں اتنی شدید تکلیف تھی کہ کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور نقاہت کا یہ عالم تھا جیسے وہ عرصے سے بیمار ہو۔ دفعتاً اسے اس روشنی کا خیال آیا۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی وہ بے اختیار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ سترہ اٹھارہ فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے دریچوں میں اندر کی طرف چراغ روشن تھے جنہیں وہ پہلے نہیں دیکھ پایا تھا اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے چراغ خود بخود رینگ کر باہر آ گئے۔ فضا میں معلق انسانی کھوپڑیوں میں سے روشنی کی لوئیں پھوٹ رہی تھیں اور اسی طرح کی چراندھ پھیلی ہوئی تھی جیسے ان میں چربی جل رہی ہو۔

فریدی کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے اور ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ان چراغوں کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا، جو آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔

اور پھر ایک عجیب سا قہقہہ سنائی دیا جو کسی خونخوار جانور کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ ایک طویل قہقہے سے اس باؤلی کی دیواریں تک جھنجھنا اٹھی تھیں، سامنے کے دریچے سے ایک چمگادڑ چیخ چیخ کرتی ہوئی نکلی اور اوپر کی طرف پرواز کر گئی۔ قہقہہ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ایک دوسری طرح کی آواز باؤلی میں گونج رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی ریچھ اپنے پیروں پر تھوتھنی رکھے خر خر، خر خر کر رہا ہو۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ریوالور موجود تھا۔ اس نے اس کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی نظریں اس دریچے کی طرف اٹھ گئیں۔ جن سے چند لمحے پیشتر چمگادڑ اڑی تھی۔ دو خونخوار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں اور پھر وہی غراہٹ سے ملتا جلتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ فریدی نے ریوالور والا ہاتھ بلند کیا لیکن نہ جانے کدھر

سے ایک بڑی سی چگادڑ نے اسی ہاتھ پر جھپٹا مارا اور ریوالور زمین پر آرہا۔

فریدی اس چگادڑ کی طرف جھپٹا۔ اس نے ریوالور کو زمین پر گرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک تو سر میں شدید تکلیف تھی اس پر اس قسم کے واقعات! وہ سمجھا شاید چگادڑ ریوالور کو جھپٹ کر لے گئی۔

چگادڑ اپنے پر پھڑپھڑاتی ہوئی اس کے سر پر چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً فریدی کو ان روشن کھوپڑیوں کا خیال آیا جو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آرہی تھیں۔ وہ پھر تیزی سے دیوار کی طرف چلا گیا اور اس سے ٹکرا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکل گئی۔ اس کا ریوالور اوپر چلتی ہوئی کھوپڑیوں کے درمیان جھول رہا تھا اور وہ کھوپڑیاں نیچے آنے کے بجائے ریوالور سمیت اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔

قہقہہ کی غراہٹ پھر سنائی دی۔ اس بار وہ ایک دوسرے دریچے سے آتی معلوم ہو رہی تھی اوپر جا کر وہ کھوپڑیاں پھر چاروں طرف بٹے ہوئے دریچوں میں رینگ گئیں۔

خونخوار آنکھیں پھر دکھائی دیں حالانکہ وہ کافی بلندی پر نظر آرہی تھیں۔ لیکن فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتری آرہی ہوں۔ پھر ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ سیاہ گھنے بالوں کے ڈھیر میں خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی تاریک ویرانے میں دو چراغ جل رہے ہوں۔ فریدی کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ دیوار سے جا لگا۔ یہ اس کے زخمی سر پر دوسری چوٹ تھی۔ اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو۔

نہ جانے وہ کب تک بے ہوش رہا اور ٹھیک اس وقت جب اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی کی سطح پر آرہا تھا۔ کچھ دیر قبل والی قہقہہ نما غراہٹ اس کے کانوں میں گونجی اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا ہو۔ آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا غبار چھٹا جا رہا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار سر کی طرف گیا۔ انگلیاں زخموں کی بجائے کسی نرم چیز سے ٹکرائیں اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے خود کو ایک سلیقے سے سجائے ہوئے کمرے میں پایا۔ اس کے نیچے ایک نرم اور ستھرا بستر تھا اور سامنے ہی فانوس میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ ایک معمر اور وجیہہ آدمی اس پر جھکا ہوا تھا جس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آرہے تھے۔ قریب ہی نعیم اور اشرف دکھائی

دیے۔ فریدی نے پھر اٹھنا چاہا لیکن اس پر جھکے ہوئے آدمی نے اس کے سینے پر ہولے سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیٹے رہئے.... لیٹے رہئے۔"

"میں کہاں ہوں۔"

"آپ قطعی محفوظ ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ لیکن آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

"حمید کہاں ہے؟ کیسا ہے۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔"

"کہاں ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر رکھا ہوا ہاتھ اٹھا کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں.... لیکن آپ لیٹے رہئے۔"

"ہشت.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... مجھے حمید کے پاس لے چلو۔"

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہم لوگ کہاں تھے؟"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" معمر آدمی فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"جو ہونا تھا.... سو ہو گیا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اشرف کو مخاطب کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کی تعریف....!"

"اوہ آپ....!" ارشد نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ.... آپ نواب صاحب۔"

"مجھے صولت مرزا کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔"

"نہیں.... کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن آپ لیٹ جائیے۔"

"میں اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" نواب صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

فریدی چپ چاپ لیٹ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اشرف سے پوچھا کہ وہ دونوں انہیں کہاں ملے تھے۔

"تم دونوں ایک گری ہوئی دیوار کی ملبے میں دبے پڑے تھے۔" اشرف نے کہا۔

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں اشرف کو گھورتا رہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے پر خیال انداز میں آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر دفعتاً پوچھ بیٹھا۔

"میرا کوٹ کہاں ہے۔"

اشرف نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کا کوٹ لٹکا ہوا تھا۔

"ریوالور ہے اس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ پھر لیٹ گیا۔

وہ پراسرار باؤلی اور اس کا ڈراؤنا ماحول۔ کیا وہ سب خواب تھا۔ فریدی انتشار میں جتلا ہو گیا۔ وہ خوفناک چہرہ جلتی ہوئی معلق انسانی کھوپڑیاں۔ قہقہہ نما غراہٹ آخر یہ سب کیا تھا۔ پہلی بار وہ یقیناً ایک گرتی ہوئی دیوار کے لپیٹ میں آکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ لیکن دوسری بیہوشی؟ کیا وہ سچ مچ خواب تھی؟ وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ سب حقیقت تھی۔ لیکن پھر! پھر وہ گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دوبارہ کس طرح پہنچے تھے۔ وہ ریوالور جسے وہ کھوپڑیاں اپنے ساتھ اڑا لے گئی تھیں اس کے جیب میں دوبارہ کس طرح آیا؟ کیا وہ شیطانی کنا.....؟ لیکن وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ کیونکہ مافوق الفطرت چیزوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم نے ہمیں ملبے کے ڈھیر سے نکالا تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ہاں بھئی.....!"

صولت مرزا بڑے غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پر خیال سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھول جائیے۔ سب کچھ بھول جائیے۔" نواب صولت مرزا معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جوانی کا خون اکثر غلط راستوں پر بھی لے جاتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے آپ کے دوستوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ وہاں کس لئے گئے تھے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ کا غیر دانشمندانہ اقدام تھا۔ کوئی دن میں بھی ادھر جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ مگر خیر شائد آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ صولت مرزا ہی کی زبانی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"ہمارے قصبے کے تین منچلے جوان" صولت مرزا پھر بولا۔ "اسی خبط کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو کچھ دن بیمار رہ کر چل بسا اور بقیہ دو آج تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کب کی بات ہے۔"

"پانچ سال قبل کی بات۔ وہ تینوں اس کتے کا راز معلوم کرنے گئے تھے۔"

"پھر....!"

"دوسرے دن صبح ان کھنڈروں میں بے ہوش پائے گئے۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی آواز سالہا سال سے سنائی دیتی ہے۔"

"میں نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔" صولت مرزا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "بس اب آرام کرو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تو اگر یہ بات ہے تو کم از کم آپ بھی اسے بچپن ہی سے سنتے آئے ہوں گے۔"

"ہاں بھئی میں صبح سب کچھ بتادوں گا مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بالکل اپنے باپ کی طرح جگی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا آپ ان سے واقف ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"بیٹے تم ہمیں بھول گئے ہو.... لیکن ہم نہیں بھولے۔"

"ارے بھئی نواب عزیز الدین خان میرا لنگوٹیا یار تھا... آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔"

"لیکن آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا۔"

"تمہارے دوستوں نے بتایا۔ اچھا میاں کمال بس چپ چاپ سونے کی کوشش کرو۔ حالانکہ زخموں میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔"

"میں سونے سے پہلے اپنے زخمی ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بھئی بڑے ضدی ہو! اچھا چلو....!"

صولت مرزا نے فریدی کو سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں حمید ایک مسہری پر گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کا سر بھی سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور صولت مرزا گھبرا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ اس مینار کی چوٹی پر ہوں گے۔" حمید نے فریدی سے کہا اور فریدی صولت مرزا کی طرف مڑ کر بولا۔ "مطمئن رہئے اس کا دماغ خراب نہیں ہوا۔"

پھر وہ مسہری کے قریب پڑی ہوئی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ نواب صولت مرزا نے بھی ایک میز کے کونے پر ٹک کر حمید کے چہرے پر خیال انداز میں نظریں جما دیں۔ حمید کافی کی پیالی ٹی پائی پر رکھ کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرے نوکر کہاں ہیں۔" فریدی نے نعیم کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"سب آگئے ہیں اور گاڑی بھی۔" نعیم نے جواب دیا۔

"تو تم بخیریت ہو۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"بدقسمتی سے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خدا نے چاہا تو اب کی صفایا ہو جائے گا۔"

انتہائی سنجیدہ ماحول ہونے کے باوجود بھی شاہد اور اشرف بے ساختہ ہنس پڑے۔

"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"عینک نہیں تھی ورنہ ضرور دیکھتا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ بھی اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔" صولت مرزا نے کہا۔

"قبلہ نواب صاحب۔" حمید نے دھوئیں کا بڑا سا بادل چھوڑتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو چکا ہوں۔"

"میں نے یہ بھی سنا ہے۔" فریدی نے نواب صولت مرزا کو مخاطب کر کے کہا۔ "کہ جب بھی وہ کنارو تا ہے قریب کی ندی میں باڑھ آجاتی ہے اور اس کے کنارے بسے ہوئے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے۔ ابھی ابھی میری لاریاں جنگ پور کے مصیبت زدگان کو لے کر یہاں آئی ہیں۔ تھوڑی دیر قبل میں بھی وہیں تھا۔ آدھے سے زیادہ گاؤں بہہ گیا ہے۔ تین بچے ڈوب گئے ہیں۔ اپنے بچپن سے اس قسم کے واقعات دیکھتا آرہا ہوں۔ اچھا بھئی اب تم لوگ آرام کرو۔ مجھے ان بیچاروں کا بھی انتظام کرنا ہے اور ہاں.... ڈاکٹر نے تم دونوں کو صرف سیال چیزیں استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔ چائے.... کافی یا دودھ۔"

صولت مرزا اپنے نوکروں کو کچھ ہدایت دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

"اب بتاؤ....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے ٹی پائی پر رکھے ہوئے ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"تم لوگ وہاں کس طرح پہنچے تھے۔"

"ہم دوسری طرف سے گھوم کر یہاں پہنچے۔" اشرف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ نواب صاحب موجود نہیں تھے۔ وہ شاید جنگ پور کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں نوکروں کو ہدایت دے گئے تھے کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں کوئی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے ساری آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ لہٰذا ان کے نوکر پہلے تو ہمیں سیلاب زدہ سمجھے لیکن جب ہم نے انہیں پوری بات بتائی تو انہوں نے ہمارے لئے معقول انتظام کر دیا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے تک ہم تمہارا انتظار کرتے رہے۔"

"خیر....!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تو تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ملبے میں دبے ہوئے تھے۔"

"تم آخر بار بار اس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"انہیں یقین نہیں آرہا ہے۔" حمید دفعتاً سر اٹھا کر بولا۔ "کیونکہ یہ اس وقت ملکہ الزبتھ کے ساتھ دعوت اڑا رہے تھے۔"

"تو ابھی تم زندہ ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید بھنا کر اٹھ بیٹھا۔

"سنئے جناب! جہنم میں گیا آپ کا ایڈونچر۔ میں اب کسی مزید حماقت کے لئے تیار نہیں۔"

"چپ چپ شور نہیں کرتے۔ بس اب تو بارہ بج رہے ہیں۔" فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"مذاق میں مت ٹالئے۔ ہم صبح ہی صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مجھ میں بھوتوں سے لڑنے کی تاب نہیں۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیسے بھوت.... پاگل ہوئے ہو، ایک بھیگی ہوئی دیوار تھی، جو ہوا کا تیز جھونکا برداشت نہ کر سکی اور بس۔"

"تو پھر وہ مینار پر رونے والا کتا میرا چچا رہا ہوگا۔"

"بہت ممکن ہے وہی ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"بھئی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم دونوں گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دبے ہوئے تھے۔" اشرف اکتا کر بولا۔

"کیا وہاں قریب ہی کوئی باؤلی بھی تھی۔"

"باؤلی کیا....!" اشرف نے پوچھا۔

"پاگل عورت کو کہتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ بھی جاہل ہیں۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "باؤلی ایک قسم کا کنواں ہوتا ہے جس میں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہوتی ہیں اور پانی کی سطح سے تھوڑی ہی اونچائی پر دریچے اور برآمدے بنے ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ایسے کنوئیں گرمیوں کے زمانے کی عیاشیوں کے لئے بنوائے جاتے تھے۔"

"نہیں ہمیں وہاں کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔" اشرف نے کہا اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ادھر ادھر دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کی۔ حالانکہ ہم تعداد میں بیس تھے اور نواب صاحب

کے نوکروں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ لیکن خوف کے مارے سب کا حال پتلا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر خود نواب صاحب چلنے پر آمادہ نہ ہو گئے ہوتے تو ان کے نوکروں کو کوئی طاقت اس وقت ان کھنڈروں میں نہیں بھیج سکتی تھی۔"

"اجی بس.....!" حمید پھر سر اٹھا کر بولا۔ "ہماری دنیا میں دو ہی تیس مار خاں بستے ہیں۔ ایک میں اور دوسرے آپ۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

پُراسرار لڑکی

"تم ابھی تک سوئے نہیں۔" فریدی بولا۔

"آپ لوگ جھک ماریئے۔ ہم تو چلے۔" اشرف اٹھتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کس کی صورت دیکھ کر گھر سے چلے تھے۔"

"آئینہ دیکھا ہوگا۔" حمید آنکھیں بند کئے ہوئے بڑبڑایا۔

دروازہ کھلا اور ایک نوکر ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا جس میں گرم دودھ کا جگ اور دو گلاس تھے اس کے بعد ایک دوسرا نوکر اندر آیا اور اس نے اشرف وغیرہ سے کھانے کے لئے کہا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"کیوں بھئی تمہیں دودھ چاہئے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "مجھے تو خواہش نہیں۔"

"میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

نوکر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر حمید نے دو گلاس صاف کر دیئے۔

نوکر استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے دودھ نہیں چاہئے۔" فریدی بولا۔ "اگر کافی تیار ہو تو لاؤ..... ورنہ نہیں۔"

"تیار ہے حضور۔" نوکر قدرے جھک کر بولا اور ٹرے اٹھا کر چلا گیا۔

حمید دوبارہ پائپ سلگا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر فریدی کو دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا لیٹ گیا۔ "پتہ نہیں کون الو کا پٹھہ ڈاکٹر تھا جس نے صرف دودھ کی اجازت دی ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر

بھلا دیوار میں دب کر بھی زندہ رہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیوں فضول ٹائیں ٹائیں مچا رکھی ہے۔"

"فضول ٹائیں ٹائیں۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ "یہ فضول ٹائیں ٹائیں ہے.... ارے یہ فض.... ضو.... ل....!"

دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ داہنی طرف کے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک انتہائی حسین لڑکی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کھڑی انہیں غمناک انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی عمر انیس یا بیس سے کسی طرح زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔

"میں تم لوگوں کے لئے مغموم ہوں۔" لڑکی نے مضمحل آواز میں کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمارے زخم معمولی ہیں۔ البتہ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔"

"تم میں سے فرقلوس کا بیٹا اوسرس کون ہے۔" لڑکی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

فریدی اور حمید گھبرا کر ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ شاید تمہیں غموں نے پاگل کر دیا ہے۔ تم دونوں زخمی ہو۔ لیکن گھبراؤ نہیں۔ زفورس.... میرا زفورس تمہارے لئے لڑ رہا ہے۔ وہ تمہارے دشمنوں کو شکست دے کر ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ مجھے دیکھو.... میں خود یہاں اسیر ہوں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ ایک دن زفورس مجھے اس قید سے رہائی دلائے گا۔ کئی دنوں سے میرے کچھ سپاہی یہاں آتے ہیں۔ وہ موقعے کی تلاش میں ہیں۔ کسی دن یہاں شب خون ضرور ماریں گے۔"

"محترمہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے مجھے غلط فہمی ہی ہوئی ہے۔ تم بھی انہیں میں سے معلوم ہوتے ہو جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔ میں یہ سمجھی تھی کہ شاید تم نے رومنوں کے خوف سے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔"

"آپ کو کس نے قید کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اس عمارت کے مالکوں نے۔ میں سالہا سال سے غلامی کی زندگی بسر کرتی آرہی ہوں۔ میں اس عمارت سے باہر نہیں نکلنے پاتی..... کاش! میرا زفورس یہاں جلد سے جلد پہنچ جائے۔ مجھے اپنے باغ کے گلاب بہت یاد آتے ہیں۔ مجھے اس معبد کی یاد بہت پڑتی ہے جہاں سنگ مرمر کی عظیم سیڑھی آسمان کی طرف اپنے بازو اٹھائے اصیل مرغوں کی قربانیاں قبول کرتی ہے۔ مجھے اپنے محل کے عظیم الشان دریچے یاد آتے ہیں جن پر شاداب شاموں کی سرخیاں رنگ مارا کرتی ہیں اور محل کے نیچے بہتے ہوئے دریا میں طلائی کشتیاں تیرتی ہیں۔ مجھے اپنے دو سیاہ رو غلام یاد آتے ہیں جو میری لئے رنگ رنگ کی ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ کر لاتے تھے اور میں انہیں شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں ڈلوا دیتی تھی۔ مجھے میرا زفورس بہت یاد آتا ہے جس کے بازوؤں میں فولادی مچھلیاں مچلتی تھیں جس کے فراخ سینے پر سر رکھ کر میں سب کچھ بھول جاتی تھی۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ فریدی اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ لڑکی انہیں الو بنا رہی ہے۔

"آپ کس زمین سے تعلق رکھتی ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مصر..... ہائے میرا مصر..... میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"مصر.....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مصر.....!" لڑکی کی آواز سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ "ایک دن تم سب غلام بنا لئے جاؤ گے۔ شاید تمہیں ہمارے جنگجو آدمیوں کا تجربہ نہیں۔ وہ جن کے نیزوں کی انیاں سورج کو آنکھیں دکھاتی ہیں وہ جن کی ڈھالوں پر خونخوار عقابوں کی تصویریں ہیں۔ وہ جنہوں نے رومنوں اور یونانیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ جنہوں نے سلونیو جیسے جلال و جبروت والے کی آنکھیں نکال کر کتوں کے سامنے ڈال دی تھیں۔ وہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ان دیواروں کو پیس ڈالیں گے جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ اسی دوران میں دوسرے کمرے سے دو عورتیں آ گئیں تھیں۔ ان میں سے ایک سحر تھی اور دوسری کمسن جس کی عمر پندرہ یا سولہ کے قریب رہی ہو گی۔

"باجی! باجی.....!" کمسن لڑکی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ یک بیک پلٹ پڑی۔

"تم دونوں میری بوٹیاں نوچنے کے لئے آ گئیں۔"

"جمیلہ.....!" معمر عورت نے اسے پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔"

وہ اسے دوسرے کمرے میں کھینچ لے گئی اور کمسن لڑکی نے شرماتے ہوئے انداز میں فریدی سے کہا۔

"آپ لوگ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔"

قبل اس کے فریدی کچھ کہتا وہ بھی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

فریدی اور حمید تھوڑی دیر تک حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر حمید بولا۔

"کیا شامت ہے۔"

فریدی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ نوکر کافی کی ٹرے لے کر آ گیا۔ اس نے فریدی کی کرسی کے قریب ٹی پائی کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔

"ابھی یہاں ایک پاگل عورت گھس آئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پاگل عورت...!" نوکر چونک کر بولا اور پھر پر تشویش انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید وہ مصر کی رہنے والی ہے۔"

"اوہ....!" نوکر نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ منجھلی سرکار ہوں گی۔"

"منجھلی سرکار۔" فریدی نے کہا۔ "یعنی نواب صاحب کی منجھلی لڑکی۔"

"جی حضور....!"

"تو کیا وہ کچھ بیمار ہیں۔"

"جی ہاں.... کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ بات ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ہم لوگ تو بڑی طرح ڈر گئے تھے۔" فریدی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا وہ بہت پڑھتی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ صورت سے تو بیمار نہیں معلوم ہوتیں۔"

"جی صاحب۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"تین سال سے۔"

"تو تمہیں ان کی بیماری کے متعلق نہیں معلوم۔"

"نہیں صاحب۔"

"کیا وہ کبھی مصر میں بھی تھیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ہمارے نوکر تو.... ہماری ایک ایک بات جانتے ہیں۔" فریدی پیالی رکھ کر نوکر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی صاحب۔" اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"اور تم اپنی منجھلی سرکار کی بیماری کے متعلق بھی نہیں جانتے۔" فریدی نے دھیرے سے کہا۔

نوکر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر وہ آہستہ سے بولا۔

"ان پر کسی جن کا سایہ ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور نوکر کو رخصت کر دیا۔

"ارے باپ رے باپ۔" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "سارے جن بھوت پریت یہیں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ شامت قلابازیاں کھاتی دکھائی دیتی ہے۔ خدارا نکل بھاگئے۔ یہاں سے.... میں ان چیزوں سے نہیں لڑ سکتا جو دکھائی نہ دیں۔ رہے آپ... تو آپ تو ہوا سے لڑنے کی خاصی مشق بہم پہنچا چکے ہیں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میں تو صبح چل دوں گا۔"

"بکواس ہے.... تمہیں یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں اس کتے کو مینار سے نکال کر پالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"ارے تو پالئے نا۔" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ "منع کس پٹھے کے الو.... الو کے پٹھے نے کیا ہے۔ لیکن میں رک نہیں سکتا۔"

خیر تمہاری کھیاں بھی رکیں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ انہیں چاہے رو کے چاہے مار ڈالئے۔ لیکن مجھے تو بخشنا ہی پڑے گا۔"

فریدی کرسی سے اٹھ کر اس کی مسہری پر جا بیٹھا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"میں نے اتنی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بس بس مجھے زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ اس کے جنگجو سپاہی۔"

"بہر حال تم جا نہیں سکتے۔"

"میں رومال سے اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے کوئی اچھی سی وصیت ضرور چھوڑ جانا۔"

"بخدا! میں عاجز آ گیا ہوں۔ گلو خاصی کے لئے موت کے علاوہ کچھ اور نہیں دکھائی دیتا۔"

"تو پھر مر ہی جاؤ، تجہیز و تکفین معقول کر دی جائے گی۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر لیٹ گیا۔

فریدی اسے خوفناک باؤلی کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ حمید کو بزدل نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ مافوق الفطرت چیزوں پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتا ہے اگر اسے باؤلی والی بات معلوم ہو گئی تو وہ کسی طرح نہ رک سکے گا۔ اس کا ذہن ان متحرک اور معلق کھوپڑیوں میں الجھا ہوا تھا اور وہ عجیب و غریب اور خوفناک درندہ۔

اس دوران میں کئی بار اس کا ذہن نواب صاحب کی منجھلی لڑکی کے پراسرار رویے کی طرف بھی منتقل ہوا لیکن وہ اس کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے پر تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں ساری علامتیں کسی ذہنی مرض کی پائی جاتی تھیں۔ البتہ وہ اس کے متعلق وضاحت سے جاننا چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا خیالات سے الجھتا رہا پھر جانے کے لئے اٹھا۔

"کہاں چلے.....!" حمید نے پوچھا۔

"تم سوئے نہیں..... میرا بستر شاید اس کمرے میں ہے۔"

"جی نہیں..... قطعی نہیں..... میں اس بھوت گھر میں تنہا نہیں رہ سکتا؟"

"عجیب احمق ہو۔"

"آپ مجھے عجیب الو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن میں.....!"

"کیا بکواس ہے.....ایک لڑکی سے ڈرتے ہو۔"

"پاگل لڑکی..... کمال کرتے ہیں آپ بھی" حمید جھلا کر بولا "کیا آپ کو نوکر کی بات یاد نہیں۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "اس پر کسی جن کا سایہ عاطفت ہے اور آپ اتنے گنوار ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ تنگ مت کرو۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"ارے احمق تو آدمی ہو کر جنوں سے ڈرتا ہے۔ تف ہے۔ تجھ گدھے پر۔" فریدی جھلا کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے اندر اتنی بوڑھی روح سسک رہی ہے۔"

"اس وقت اگر آپ مجھے گدھے کے بجائے جرنلسٹ بھی کہہ دیں تو میں برا نہ مانوں گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت.....!" فریدی آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ وہ اب نہیں جائے گا۔

"آپ یہاں مسہری پر آجائیے۔ میں کرسی پر سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں جی..... سوئیے۔" فریدی نے آنکھیں بند کرلیں۔

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ فریدی کو آوازیں دیں لیکن وہ سو چکا تھا۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ وہ بھی سو جائے لیکن نیند نہ آئی۔ وہ پر اسرار لڑکی اس کے ذہن پر بری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کی خواب ناک آنکھیں، سپاٹ چہرہ، عالم تحیر میں بار بار جھپکتی ہوئی پلکیں۔ گفتگو کرتے وقت اعضاء کی غیر مانوس سی جنبش..... یہ ساری چیزیں ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھیں۔ دفعتاً اس کی نظریں اس دروازے کی طرف اٹھ گئیں جس سے وہ داخل ہوئی تھی۔ وہ یک بیک اٹھ بیٹھا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی چٹخنی گرا کر پھر مسہری پر لوٹ آیا۔

وہ دن چڑھے تک سوتے رہے۔ فریدی نے آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے نواب صولت

مرزا کو دیکھا جو قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کمال میاں تم واقعی اپنے باپ کی نقل ہو۔" اس نے کہا۔ "بھلا اس کرسی پر سونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ.... اور اصل میں باتیں کرتے کرتے سو گیا تھا۔"

"میں نے منع کیا تھا نا کہ زیادہ باتیں نہ کرنا۔ خیر یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے۔"

"میں بالکل اچھا ہوں.... حمید.... او حمید۔"

"بھئی سونے دو نا.... اسے کیوں جگاتے ہو۔"

حمید کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

صولت مرزا تھوڑی دیر تک ان سے ان کے زخموں کی کیفیت معلوم کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہو کر باہر آئے۔ صولت مرزا کے طویل و عریض مکانات کے برآمدے اور کمرے پناہ گزینوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ خود دوڑ دوڑ کر ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ان کی طرف چلا آیا۔

"بھئی تم لوگوں نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ابھی نہیں.... ہم یوں بھی دیر سے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو یہ تمہارا گھر ہے کسی قسم کا تکلف نہ کرنا۔ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو کہہ دینا کیونکہ میں بُری طرح مشغول ہوں ورنہ خود ہی دیکھ بھال رکھتا۔"

"اوہ! آپ اس کی فکر نہ کیجئے گا" فریدی نے کہا۔ "ہم خود آپ کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے آئے ہیں۔"

"نہیں بھئی نہیں.... تم آرام کرو۔" نواب صاحب نے پر خیال انداز میں کہا۔ "اوہ.... ٹھیک یاد آیا۔ تم ابھی تک لڑکیوں سے نہیں ملے۔ آؤ.... میں کچھ اتنا زیادہ مشغول رہا کہ ان سے تمہارا تذکرہ تک نہ کر سکا۔ شکیلہ تمہاری بہت مداح ہے۔ تمہارے بیشتر کیسوں کی رپورٹوں کے تراشے اس نے اکٹھے کیے ہیں۔ اکثر کہتی ہے کہ بہت خوفناک آدمی ہوں گے۔ ہاہاہا لیکن تمہاری مسکین صورت دیکھ کر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔"

حمید ہنسنے لگا۔ لیکن پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ غالباً اسے پچھلی رات والی لڑکی یاد آ گئی تھی۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اشرف وغیرہ کا خیال رکھنا۔ انہوں نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" حمید کی جان میں جان آئی۔ "مجھے انہیں کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ہم نے ہی تو انہیں شکار کی لئے مدعو کیا تھا۔ انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور حمید اس کا مطلب سمجھ کر جھینپ گیا۔

نواب صاحب فریدی کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف مڑے اور حمید اپنے ساتھیوں کے کمروں کی طرف چل دیا۔

راہ میں صولت مرزا نے ایک نوکر کو روک کر لڑکیوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ڈائننگ روم میں ہیں۔

"ارے بھئی شہریوں کو ناشتہ پہنچا یا نہیں۔"

"جی ہاں۔" نوکر نے جواب دیا۔ "اور آپ لوگوں کے متعلق آپ سے پوچھنا تھا۔"

"میرے خیال سے تو اب ڈاکٹر کو کھانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" صولت مرزا نے فریدی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں..... میرے خیال سے رات ہی کسی خاص پرہیز کی ضرورت نہیں تھی۔"

"خیر آؤ بھئی۔" صولت مرزا نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ ڈائننگ روم میں آئے جہاں رات والی دونوں لڑکیاں اور تیسری عورت بیٹھی تھی۔ کچھ بچے بھی تھے۔ وہ سب انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔

"لو بھئی شکیلہ.....!" صولت مرزا نے چھوٹی لڑکی کو مخاطب کیا۔ "تمہیں ایک بہت ہی خوفناک آدمی ملاؤں۔"

تینوں مستفسرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"انسپکٹر احمد کمال فریدی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"ارے.....!" شکیلہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور صولت مرزا ہنسنے لگے۔

"تم سمجھتی تھیں بڑا خوفناک آدمی ہوگا؟ بیٹھو بھئی بیٹھو۔" اس نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شکیلہ ہے۔ یہ جمیلہ اور یہ عقیلہ!"

فریدی کی توجہ کا مرکز زیادہ تر منجھلی لڑکی جمیلہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حد درجہ چڑچڑی ہے، ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک ابھری ہوئی شکن تھی جو اس کے تیکھے مزاج کی غمازی کر رہی تھی۔ ابروؤں میں ایک خاص قسم کا تناؤ تھا، جس کا خوش مزاجی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں معلوم ہوتا تھا.... لیکن.... فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ پچھلی رات کو تو اس کے چہرے کے خطوط بڑے دلآویز معلوم ہو رہے تھے، سبک اور حسین ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی نشہ انگیز تھرتھراہٹ تھی۔ ماتھے پر وہ بدنما سلوٹ بھی نہیں تھی۔ ابروؤں میں تیکھے پن کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"تو یہ وہی کمال میاں ہیں، جو عزیز چچا کے ساتھ آیا کرتے تھے۔" بڑی لڑکی عقیلہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ بچپن کی بہتیری باتیں یاد نہیں رہ گئیں۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی شکایت ہی نہیں۔ زمانہ ہی نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا۔" عقیلہ اس کی طرف چائے کی پیالی اور پیسٹریوں کی طشتری کھسکاتی ہوئی بولی۔ "جب تک عزیز چچا زندہ رہے برابر آنا جانا رہا اس کے بعد سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اللہ بخشے عزیز چچا بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔"

فریدی کا دم گھٹنے لگا۔ اسے گھریلو قسم کی باتوں سے اختلاج ہونے لگتا تھا۔

عقیلہ اپنی چھوٹی بہن کو مخاطب کر کے بولی۔ "اور سنو! عزیز چچا نے انہیں بارہ سال کی عمر میں انگلینڈ بھیج دیا تھا اور پھر دس سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی۔ حکم تھا کہ ایم۔اے پاس کرنے سے قبل ہندوستان نہیں آ سکتے۔" پھر وہ فریدی سے پوچھنے لگی۔ "آخر تمہیں اس انسپکٹری میں کیا مزا ملتا ہے اول تو میرے خیال سے تمہیں ملازمت کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر کرنی ہی تھی تو کسی بڑی جگہ پر گئے ہوتے اتنی تعریفیں تمہاری اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ابھی تک وہی انسپکٹر کے انسپکٹر۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بات یہ نہیں۔" اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل اپنی ہی ضد کی وجہ سے اب تک انسپکٹر ہوں، بڑے عہدے حاصل کر لینے کے بعد کام کا موقع نہیں ملتا۔"

"بالکل وہی عزیز چچا کی سی باتیں۔" عقیلہ مسکرا کر بولی اور صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے وہ حضرت بھی آئے دن ایک نئے خبط میں مبتلا رہتے تھے۔ کبھی جنوبی امریکہ

تشریف لے جارہے ہیں۔ ربڑ کی کاشت کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اور کبھی مصر اور وجہ پوچھو تو مسکرا کر کہیں گے کیوں نہ ایک بار اہرام مصر کی زیارت کر لی جائے۔ اچھا بھئی اب تم لوگ بیٹھو میں تو چلا۔"

صولت مرزا چلا گیا۔ فریدی بار بار جمیلہ کی طرف دیکھ لیتا تھا جو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ البتہ شکیلہ اسے کبھی کبھی پر اشتیاق انداز میں دیکھنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھی اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جمیلہ کچھ اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔ آخر وہ اٹھ کر چلی ہی گئی۔

"تمہارے زخموں کا اب کیا حال ہے۔" عقیلہ نے پوچھا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تم ہو۔ ابا جان کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کچھ بتاتے۔ آخر تم یدھ راج نگری کی طرف کیوں چلے گئے تھے۔ نوکروں نے شاید تمہارے آدمیوں سے سنا تھا کہ تم اس شیطانی کتے کا پتہ لگانے گئے تھے۔"

"بات تو یہی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو تم اسی طرح اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔"

"ویسے میں بڑا ڈرپوک آدمی ہوں لیکن ایسی باتوں کا پتہ لگانے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہاں سگار پیوں تو کوئی ہرج تو نہیں۔"

"بھلا اس میں ہرج کی کیا بات۔" عقیلہ شکیلہ کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار کا کونہ توڑ کر اسے ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک کہنے لگا۔ "جمیلہ صاحبہ نے سچ مچ رات مجھے ڈرا دیا تھا۔ بہر حال میں اس مذاق سے دیر تک محظوظ ہوتا رہا۔"

"مذاق۔" دفعتاً عقیلہ کے چہرے پر اداسی کی گہری تہیں جم گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "مذاق نہیں تھا۔"

"مذاق نہیں تھا۔" فریدی کے لہجے میں مصنوعی حیرت تھی۔

"مذاق نہیں تھا۔" عقیلہ دھیرے سے بولی۔ "یہ ہماری ایک پرانی بدنصیبی ہے اس پر گیارہ سال کی عمر سے اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"دورے.....!"

"ہاں دورے..... وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب تو یہ حال ہے کہ قصبے کے ایک ایک فرد کو اس کی اطلاع ہو گئی ہے۔"

"یہ دورے پڑتے کس طرح سے ہیں۔" فریدی نے پر خیال انداز میں پوچھا۔

"بس سوتے سوتے اٹھ بیٹھتی ہے اور اس قسم کی باتیں کرنے لگتی ہے جیسی تم پچھلی رات سن چکے ہو۔"

"اور انہیں اپنی پچھلی زندگی بالکل یاد نہیں رہتی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں..... وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ہم سے کہتی ہے کہ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔"

"اور پھر وہ اسی حالت میں دوبارہ سوئے بغیر ہوش میں نہ آتی ہوں گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیا تم اس مرض کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"یونہی تھوڑا بہت! علاج کس قسم کا ہوتا رہا۔"

"سب کچھ کرتے تھک گئے ہیں۔ ملک کے نامور ڈاکٹروں سے مشورے لئے گئے۔ لیکن سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک مرض کی وجہ نہ معلوم ہو مرض لاعلاج ہے۔ بھلا بتاؤ، ہم اس کی وجہ کیا جانیں۔"

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ ایک ذہنی مرض ہے وہ یا تو خود بخود جائے گا یا پھر..... کیا ان کی شادی ہو گئی ہے۔"

"نہیں..... اور یہی ہماری سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ یہ بات سارے اعزہ میں مشہور ہو گئی ہے کہ جمیلہ پر جن آتے ہیں۔ لہٰذا کہیں سے بات ہی نہیں آتی۔"

"مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے۔" فریدی متاسفانہ انداز میں بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھتی ہیں۔"

"انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں۔ مجھے تو انگریزی آتی نہیں۔ اس نے ایف اے تک پڑھا ہے۔ وہ دن بھر لائبریری میں گھسی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہیں کسی موٹی سی کتاب میں ڈوبی ہوئی ہو گی۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ عقیلہ کا دس سالہ لڑکا جاوید بگل بجاتا ہوا گھس آیا۔

"جاوید یہ کیا بدتمیزی ہے۔" عقیلہ نے اسے ڈانٹا۔

"ممی.....!" "ہم مارچ کر رہے ہیں۔ لفٹ رائٹ..... لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ وہ زمین پر پیر مارنے لگا۔

"شکیلہ ذرا پکڑ.....اس سور کو۔"

جاوید بگل بجاتا ہوا باہر گیا۔

"ممی..... ہم بھی بگل لیں گے۔" ایک پانچ سالہ بچی اس پر لد کر ٹھنکنے لگی۔

"غصہ ور اتنی ہے کہ اباجان بھی اس سے دبتے ہیں۔" عقیلہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ورنہ ڈاکٹروں نے اسے پڑھنے لکھنے کے لئے منع کر رکھا ہے وہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔"

"ممی ہم بھی بگل لیں گے۔" لڑکی پھر منمنائی۔

"کھا جاؤ تم لوگ مجھے۔" عقیلہ جھلا کر بولی۔ "چلو ادھر ہٹو..... لڑکیاں بگل نہیں بجاتیں۔ جاوید تو کبھی گڑیوں کے لئے ضد نہیں کرتا۔ ہاں تو۔" وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو گئی۔ مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ نہ تو اُسے ہوش کی حالت میں دورے کی باتیں یاد رہتی ہیں اور نہ دورے میں ہوش کی حالت کی باتیں۔

"ممی بگل.....!"

"شکیلہ اسے لے جاؤ..... ورنہ پیٹ کر رکھ دوں گی۔" عقیلہ نے بچی کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا اور پھر فریدی سے بولی۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔ دورے کی حالت میں ایسی ایسی باتیں ا جان کو کہتی ہے کہ تم ظالم رومنوں کے غلام ہو۔ مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مصری حکومت تمہیں اپنے شکاری کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔"

فریدی سوچ رہا تھا کہ اس جنگی عورت سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ اس کی باتیں کسی کام کی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری..... جو باتیں اس نے کرنی چاہی تھیں ان کی طرف سے اس نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ لہٰذا اب غیر متعلق باتوں میں الجھ کر وہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے رات ہی کو سوچ لیا تھا آج بھی یدھ راج گڑھی کا ایک آدھ چکر ضرور لگائے گا۔ وہ اس کتے کا راز معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ کسی

طرح نکل بھاگے۔ اچانک صولت مرزا کی آواز سنائی دی۔

"آؤ بھئی فریدی تمہیں ایک دلچسپ آدمی سے ملاؤں۔"

صولت مرزا دروازے میں کھڑا عقیلہ کو گھور رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر اس کے قریب آیا اور پھر دونوں نشست کے کمرے میں چلے گئے۔

حکیم ارسلانوس

ڈرائنگ روم میں اسے ایک قطعی غیر دلچسپ آدمی دکھائی دیا، جو ایک صوفے پر اکڑوں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بھورے رنگ کی گھونگھریالی داڑھی اور سر پر بالوں کا ایک بے ہنگم سا گچھا تھا۔ وہ بھی کچھ اس قسم کا کہ بھوکی گائیں اسے خشک گھاس سمجھ کر بے خیالی میں اس پر ایک آدھ بار منہ ضرور مار سکتی تھیں۔ ان کی آہٹ پر وہ چونکا اور نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر پھر اونگھنے لگا۔ لیکن اس کی یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے قریب پہنچے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میاں صولت اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے وہ یار ذرا دیکھو تو جن صاحب کا لونڈا مجھے چونچ دکھاتا ہے۔ قسم ہے اللہ کی نہ جانے کیا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں اور جو جن صاحب سے شکایت کیجئے تو وہ بھاڑ سا منہ کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ بچہ ہے.... ہو گا بچہ وچہ۔ میاں جس دن غصہ آ گیا زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دوں گا۔"

"ضرور ضرور بھائی صاحب۔" صولت مرزا سنجیدگی سے بولا۔ "ان سے ملئے یہ ہیں اپنے نواب عزیز الدین خاں کے صاحبزادے احمد کمال فریدی اور آپ حکیم ارسلانوس.... بڑے پائے کے حکیم ہیں۔"

"کماں وہی عزیز الدین خان نا جنہوں نے راجہ سانگر کے پاگل ہاتھی کو گولی ماردی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"وہی وہی!"

"اچھا تو آؤ میاں بیٹھو۔" وہ ایک طرف سرکتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔"

"چوٹ آگئی ہے۔" فریدی نے سعادت مندی سے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

صولت مرزا دوسرے صوفے پر ٹک گیا۔

"کیا لگایا ہے۔"

"معلوم نہیں۔ میری بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر نے بینڈیج کی تھی۔"

"بینڈیج کیا؟"

"یعنی کہ پٹی باندھی تھی۔"

"تو گویا انگریزی میں پٹی باندھی۔" اس نے ایک ٹھٹھناتا ہوا قہقہہ لگایا۔

"ارے میاں گومی باندھ گومی۔ ایک دن میں زخم بھر جائیں گے۔"

"گومی کیا۔"

"ہاہا..... پوچھتے ہیں۔ گومی کیا۔ بھئی صولت تمہیں بتاؤ گومی کیا چیز ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

"چلو تم بھی یونہی نکلے۔ ارے میاں گومی ایک بوٹی ہے جس کی ہر چار پتیوں کے اوپر سبز رنگ کی ایک گیند ہوتی ہے۔ اس میں بے شمار سوراخ سے سفید رنگ کا ایک پھول نکلتا ہے۔ ابھی چلو میں تمہیں یہ بوٹی پہنچوا دوں۔ سونے کے بھاؤ بکنے والی بوٹی ہے۔ کیا سمجھے۔"

وہ اور نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ دفعتاً فریدی کی نظر پشت کی طرف اٹھ گئی۔ عقیلہ کا لڑکا ہاتھ میں بگل لئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فریدی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ صولت مرزا بھی آڑ میں تھے۔ جاوید آہستہ آہستہ اپنا بگل حکیم ارسلانوس کے کان کے قریب لایا اور پھر زور کی پھونک ماری وہ چیخ کر اچھل پڑا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پلٹتا جاوید کمرے سے جا چکا تھا۔ صولت مرزا بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے چہرے پر سنجیدگی سے لپٹی ہوئی شرمندگی کے آثار تھے۔ حکیم ارسلانوس صوفے سے جست لگا کر فرش پر آیا اور صولت مرزا کو مکا دکھا کر کہنے لگا۔

"میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ عقیلہ کے لونڈے کی شرارت ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ میں بگل دیکھا تھا۔ خیر سمجھ لوں گا۔"

"ارے بھائی صاحب آپ ہی نے تو لڑکوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔" مرزا نے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"کہاں تو لڑکوں کو لڑکا ہی رہنا چاہیے۔ دادانہ بن جانا چاہیے۔ خیر خیر دیکھ لوں گا۔"

"ارے تو چلئے کہیں بیٹھیے نا۔" صولت مرزا نے کہا۔

"جی نہیں۔ میں الو نہیں ہوں۔ مرنے کے بعد میری قدر معلوم ہوگی۔ میاں یونان میں پیدا ہوا ہوتا تو لوگ میرے بت بنا کر پوجتے۔"

مرزا بروکتا ہی رہا۔ لیکن ارسلاتوس اٹھ کر چلا گیا۔

"آپ نے کیا نام بتایا تھا ان کا۔" فریدی نے پوچھا۔ صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"نام تو محمد حسین ہے لیکن یہ خود کو حکیم ارسلاتوس کہلواتے ہیں۔" صولت مرزا نے کہا۔

"یونانی علوم کے مطالعے نے ان کا دماغ الٹ دیا۔ خاص طور پر فلسفہ ان کا پسندیدہ مضمون رہا ہے۔ تھیلو سے لے کر ارسطو تک شاید ہی کوئی ایسا فلسفی ہو جس کے کارناموں کا انہوں نے عمیق مطالعہ نہ کیا ہو۔ کلبیوں نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا ہے۔"

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"آپ کی لائبریری بھی بڑی شاندار ہوگی۔" اس نے کہا۔ "اکثر والد صاحب کی زبانی اس کا تذکرہ سن چکا ہوں۔"

"شاندار کیا۔ ہاں کتابیں کافی ہیں۔ میں نے عرصے سے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ جانے یہ کیا بات ہے کہ اب پڑھنے پڑھانے میں دل ہی نہیں لگتا۔ صرف جمیلہ فرصت کے لمحات میں زیادہ تر وہیں گھسی رہتی ہیں۔"

"آپ نے انہیں کسی سائیکو انیلسٹ کو نہیں دکھایا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

صولت مرزا بے اختیار چونک پڑا۔

"ابھی اندر یہی بات ہو رہی تھی۔" فریدی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دراصل پچھلی رات کو دورے کی حالت میں ہمارے کمرے میں آگئی تھیں۔ اس گفتگو سے قبل میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید انہوں نے مذاق کیا تھا۔"

"اب کیا بتاؤں۔" صولت مرزا مضمحل آواز میں بولا۔ "اس کی فکر مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ پہلے تو خیر دورے ہی پڑتے تھے مگر .... ادھر کئی دنوں سے .... اب کیا بتاؤں۔ میرے علاوہ شاید ابھی گھر کا کوئی اور فرد نہیں جانتا۔"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ باہر کچھ شور سنائی دیا۔ بگل کی پے درپے آوازوں کے ساتھ ہی کسی بچے کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔۔ یہ دونوں گھبرا کر برآمدے میں نکل آئے۔

ارسلانوس جاوید کو اپنی گرفت میں جکڑ کر اس کے کان سے بگل لگائے پھونکوں پر پھونکیں مار رہا تھا۔ بمشکل تمام انہوں نے اسے چھڑایا اور صولت مرزا نے جاوید کو بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ روتا ہوا اندر بھاگ گیا۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں۔" صولت مرزا کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"تمہارا یہ چانٹا میری گال پر پڑا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" ارسلانوس سرد لہجے میں بولا۔

"آپ کے گال پر" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر نواب صاحب نے بچے کو مارا ہے۔"

"غصہ تو مجھ پر آیا تھا۔" ارسلانوس بولا۔ "لہٰذا وہ تھپڑ دراصل میرے ہی گال پر پڑا ہے۔"

صولت مرزا اندر چلا گیا۔ ارسلانوس کے گرد فریدی کے دوست اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان میں سے خصوصاً سرجنٹ حمید ارسلانوس کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں صاحب کیا میں تماشہ ہوں۔" ارسلانوس انہیں مخاطب کر کے بولا۔

"جی ہاں!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس تماشے کے پیسے کون وصول کرے گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بھنا کر بولا۔ "قسم ہے اللہ کی.... اگر اس قصبے کے ہوتے تو ناطقہ بند کر دیتا۔"

"حمید کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ پھر حکیم ارسلانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "حکیم صاحب! میں آپ کے رتبے سے واقف ہوں۔ ملک میں کوئی آپ کی ٹکر کا نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔"

"واللہ تم مومن ہو۔" ارسلانوس پرجوش انداز میں اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اور میرے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے جناب۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"دجال۔"

"تو بس ایمان لے آیئے مجھ پر" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ آرے سے چروا کر دوبارہ زندہ کر دوں گا۔"

"قسم ہے اللہ کی بھیجا پھاڑ دوں گا۔" ارسلانوس اس کی طرف لپکا۔ لیکن فریدی بیچ میں آگیا۔

"جانے بھی دیجئے حکیم صاحب.... بچوں کو معاف کر دیتے ہیں۔"

"یہ بچہ ہے! اگر بچہ ہے تو اپنی ماں کا دودھ پی کر دکھائے۔" ارسلانوس گرجا۔

"ابے او بقلندوس.... زبان سنبھال کے۔" حمید بھی آگے بڑھا۔

"بقلندوس....!" اس نے بچوں کی طرح قہقہہ لگا کر کہا۔ "جاہل کہیں کے۔ یونان میں کوئی بڑا آدمی بقلندوس نام کا نہیں گزرا۔ تم بھول رہے ہو۔ شاید تمہاری مراد جالینوس سے ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے پھر ڈانٹا اور حمید نے خاموشی اختیار کرلی۔

فریدی اسے ادھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر پھاٹک تک چھوڑ آیا اور ارسلانوس اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر رخصت ہو گیا۔

"یہ کون جنگلی تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ایک خبطی۔" فریدی نے کہا اور اس کے متعلق اسے جو کچھ معلوم تھا بتادیا۔

"آدمی اس قابل ہے کہ اسے دلچسپی کا مشغلہ بنایا جاسکے۔" حمید نے کہا۔

اتنے میں اشرف وغیرہ بھی آگئے اور فریدی پر اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانے پر زور ڈالنے لگے۔ لیکن فریدی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ پچھلی رات کو یوں ہی بلا مقصد خطرے میں نہیں پڑا تھا۔ اس نے فی الحال یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ وہ صولت مرزا سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ ان کا مہمان خصوصی تھا۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ ایک نوکر نے آکر فریدی سے کہا۔

"سرکار آپ کو لائبریری میں یاد کر رہے ہیں۔"

فریدی حمید کو رکنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا۔ صولت مرزا کی ادھوری بات رہ رہ کر ذہن میں چبھ رہی تھی۔ وہ کون سی بات تھی جس کے متعلق اس کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو علم نہیں تھا۔

لائبریری میں اسے جمیلہ بھی دکھائی دی جو ایک گوشے میں کھلی کھڑکی کے قریب باپ کی طرف پشت کئے بیٹھی تھی۔ یہ ایک کافی طویل و عریض کمرہ تھا۔ چاروں طرف بڑی بڑی الماریاں تھیں، جن میں کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد گدے دار

کرسیاں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی میزیں اور تھیں۔ بہر حال وہ سارا فرنیچر موجود تھا جو کسی جدید طرز کے ریڈنگ روم کے لئے ضروری ہو سکتا ہے۔ فریدی کی آہٹ پر جمیلہ چونک کر مڑی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا تیکھا پن کچھ اور واضح ہو گیا تھا۔ فریدی اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا صولت مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ایک صوفے پر نیم دراز کسی کتاب پر گرد پوش چڑھا رہا تھا۔

جمیلہ نے ہاتھ میں دبی ہوئی کتاب الماری میں رکھ دی اور باہر چلی گئی۔ فریدی نے وہ جگہ نوٹ کی جہاں کتاب رکھی گئی تھی اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"واقعی شاندار ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک نظر ڈال لوں۔"

"ضرور بھئی ضرور۔" صولت مرزا اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی ایک ایک الماری کا جائزہ لیتا ہوا اس الماری کے قریب آیا جس میں جمیلہ نے کتاب رکھی تھی۔ اس دوران میں صولت مرزا اسے جمیلہ کے متعلق بتا رہا تھا۔ فریدی نے وہ کتاب الماری سے نکالی اور ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صولت مرزا کہہ رہا تھا۔ "اب ایک بالکل ہی نئی بات ہونے لگی ہے جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سخت الجھن میں ہوں کہ تم اس طرح غیر متوقع طور پر ادھر آ نکلے۔"

فریدی میز پر کتاب رکھ کر استفہامیہ انداز میں صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ممکن ہے کہ تم نے پچھلی رات کو اندازہ لگایا ہو کہ وہ زیادہ تر قدیم یونان روم اور مصر کی باتیں کرتی ہے۔"

"قطعی اور میں اسی کے متعلق سوچتا بھی رہا ہوں۔ اس وقت وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔"

"کیا.....!" صولت مرزا نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"جو کچھ وہ دن بھر پڑھتی ہیں وہی دورے کی حالت میں ان کی زبان پر ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ زیادہ تر روم.... یونان اور مصر کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتی ہے، لیکن دوسری بات.....!"

صولت مرزا دفعتاً خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا پھر کہنے ہی میں اسے تامل ہے۔ فریدی میز کے کونے پر ٹک کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھئی کسی طرح کہوں زبان نہیں کھلتی۔" صولت مرزا نے خود سے اکتا کر کہا۔

"اگر کوئی اہم بات ہے تو ضرور بتائیے۔ وہ مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اہم سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن تم مجھے کیا سمجھو گے۔"

فریدی پھر اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ دراصل اشتیاق کے ساتھ ہی ساتھ اکتاہٹ بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے سے ابھر رہی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس نے کہا۔

"بھئی اگر تم رات کو اپنے یہاں کچھ اجنبیوں کو دیکھو اور ان کا کچھ بنا بگاڑ نہ سکو تو لوگ تمہیں کیا کہیں گے۔" صولت مرزا نے بے ڈھنگے پن کے ساتھ کہا۔

"بیمار یا بزدل.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن..... لیکن..... جن حالات میں مجھے اس قسم کا اتفاق ہوا ہے.....!"

"آپ کو.....!"

"ابھی تک ہم سب اسے ایک ذہنی بیماری ہی سمجھتے رہے ہیں۔" صولت مرزا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر ادھر کچھ دنوں سے.....!" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا اور فریدی کو ایک بار پھر جھنجھلاہٹ کو دبا کر چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کرنے پڑے۔

"میں اپنے گھر میں کئی راتوں سے کچھ اجنبیوں کو دیکھ رہا ہوں۔" صولت مرزا نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ اس دنیا کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"کیا مطلب.....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ اسی دنیا اور اسی زمانے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جس کا تذکرہ جمیلہ دورے کی حالت میں کرتی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا اور صولت مرزا بولتا رہا۔ "ان کا لباس یونان یا روم کے قدیم سپاہیوں کا سا ہوتا ہے۔ سروں پر لوہے کے چمکدار خود ہاتھوں میں نیزے اور مستطیل ڈھالیں، گردن سے کر تک زرہیں۔ ٹخنوں سے گھٹنوں تک کسے ہوئے سیاہ سینڈلوں کے تسمے۔"

فریدی نے بے خیالی میں وہ سگار کھڑکی کے باہر پھینک دیا جو ابھی سلگایا تھا۔

"آپ نے انہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کی؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اسی قسم کے سوالات کے خوف سے میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔" صولت مرزا نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر خون رگوں میں منجمد سا ہوتا معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں انہیں تین بار دیکھ چکا ہوں ان کے چہروں کے گرد ایک عجیب قسم کی روشنی ہوتی ہے۔ آنکھیں اپنے حلقوں میں جمی جمی سی معلوم ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اسی وقت دکھائی دیتے ہیں جب جمیلہ پر دورہ پڑتا ہے۔"

"تو پھر وہ کل رات کو بھی دکھائی دیئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ کل رات مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ جمیلہ کے پاس آتے ہیں۔"

"ہاں! جمیلہ ان سے اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے وہ انہیں جانتی ہو۔"

"کس قسم کی گفتگو۔"

"وہی اوٹ پٹانگ جو تم نے پچھلی رات کو سنی ہوں گی۔ یعنی مجھے یہاں سے رہائی دلاؤ۔ زفورس کی فوجیں اب کہاں لڑ رہی ہیں اسے جلد میرے پاس پہنچنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"وہ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ان کے صرف ہونٹ ہلتے ہیں۔ آوازیں نہیں نکلتیں، ہاتھوں کے اشارے کرتے ہیں۔ جمیلہ کو سارے گھر میں ٹہلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی پائیں باغ میں جاتے ہیں اور کبھی جانوروں کے اصطبل کی طرف.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں چھپ چھپ کر انکا پیچھا کرتا رہتا ہوں، لیکن نہ تو اس کی ہمت پڑتی ہے کہ نوکروں کو جگاؤں اور نہ یہی کر سکتا ہوں کہ انہیں للکاروں۔"

"آپ کے چوکیداروں نے تو انہیں دیکھا ہی ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرے یہاں کبھی کوئی چوکیدار نہیں رہا۔ نہ میں کتے پالتا ہوں اور نہ چوکیدار رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ تو میرے یہاں چوری ہو سکتی ہے اور نہ ڈاکہ پڑ سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کا جمیلہ کے ساتھ کیا رویہ ہے۔"

"وہی جو غلاموں کا مالک کے ساتھ ہو سکتا ہے۔" صولت نے کہا۔ "وہ اسے دیکھ کر تعظیماً جھکتے ہیں۔ اپنے نیزوں کی انیاں زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ پھر وہ انہیں جھنجھوڑتی ہے۔ ان سے اپنے سوالات کا جواب چاہتی ہے لیکن وہ بت بنے کھڑے رہتے ہیں۔ البتہ ان کے ہونٹ ہلتے ہیں اور جیلہ پاگلوں کے انداز میں کہتی ہے کہ وہ ان کی آواز کیوں نہیں سن سکتی۔ کیا وہ بہری ہو گئی ہے۔"

"تو آپ نے انہیں بولتے نہیں سنا۔"

"نہیں.....!"

"اور وہ انداز سے کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں.....!" صولت مرزا نے جواب دیا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"خیر..... بہر حال..... آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھئی کیا بتاؤں۔ کچھ کہتے سنتے نہیں بن پڑتی۔ اب سے کچھ دن قبل میں اسے ذہنی بیماری سمجھتا تھا لیکن اب....." صولت مرزا خاموش ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر اب یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ واقعی کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"شاید آپ ان رومیوں یا یونانیوں کی بناء پر کہہ رہے ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ کیا تمہاری رائے اس سے مختلف ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی رائے قائم ہی نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے اس قسم کے بھوتوں اور پریتوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور میری نظروں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ مثلاً ایک تو وہی آپ کا روایتی کتا۔ اگر اچانک دیوار نہ گر پڑی ہوتی تو۔"

•

دوسری ملاقات

شام بڑی خوشگوار تھی۔ دن بھر کی تیز دھوپ کے بعد شفق کی چھاؤں زندگی افروز معلوم ہو رہی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اگر گڑھوں اور تالابوں میں کیچڑ اور پانی نہ ہوتا تو یہ کہنا دشوار تھا کہ

ایک دن قبل اعتدال سے زیادہ بارش ہو چکی ہے۔ فریدی کے سارے دوست اور نوکر جا چکے تھے۔ حمید نے بھی واپس جانے کے لئے بڑا زور مارا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ اسے عجیب و غریب کتے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا اشتیاق ضرور تھا لیکن وہ خواہ مخواہ خطرے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دوسرے لوگوں سے چھان بین کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو آواز صدہا سال سے سنی جا رہی ہو اس کے لئے سر مارنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سینکڑوں جوان مردوں نے اس راز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہو گی۔ خود نواب صولت مرزا سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ایک بار چند انگریز اس منارے پر چڑھے تھے اور انہوں نے کافی دنوں تک ادھر اُدھر ہاتھ پیر بھی مارے لیکن کوئی قاعدے کی بات نہ معلوم ہو سکی اور پھر مینار کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ چونکہ اس گڑھی کو تاریخی اہمیت حاصل تھی اس لئے اکثر آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے اسے دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے اور ایک بار تو اس کی کھدائی بھی ہوئی تھی۔

حمید کرتا بھی کیا۔ ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا اور اس کا انجام بھی خود اس کے ہاتھوں میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اپنا اطمینان کئے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ اس وقت وہ دونوں کوٹھی کے عقبی پارک میں بیٹھے شفق میں تحلیل ہوتی ہوئی سرخیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ صولت مرزا اس قصبے میں رہ کر کس طرح اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انگلینڈ کے کسی بڑے آدمی کے خانگی پارک میں بیٹھا ہو۔ یہاں لان پر کئی جگہ قد آدم مجسمے نصب تھے۔ فن میں زیادہ تر یونان و روم کی قدیم سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ جنہیں موجودہ دور کے اچھے فنکاروں نے تراشا تھا۔

"صولت مرزا کو بھی شاید مردہ تہذیبوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

غالباً وہ دونوں بیک وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

"ہوں....!" حمید نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بڑی دیر سے خود کو پوز کر رہا تھا۔ ورنہ خصوصیت سے آج کے دن اسے فریدی کی ساری باتیں زہر لگ رہی تھیں۔

"اب اگر اس سلسلے میں اس کی بیٹی کا دماغ الٹ جائے تو یہ تعجب کی بات نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوگا.... ہوگا.... مجھے کیا؟" حمید بیزاری سے بولا۔

"اسے ہزاروں سال کے مردے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔"

"اس پورے قصبے ہی پر خدائی مار نظر آتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ آج وہ مردے ہمیں بھی دکھائی دیں۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"مُردے.... نہیں سمجھے! ایم رے پیش مردال بے زیرو بے مُردے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔

حمید اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اکثر تواریخ کی کتابوں میں قدیم زمانے کے رومن یا یونانی سپاہیوں کی تصویریں دیکھی ہوں گی ہوسکتا ہے کہ آج تم انہیں گوشت و پوست میں دیکھو۔"

"یعنی....!"

"کیا تمہیں یاد نہیں۔" فریدی اپنی جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "کل رات کو وہ اپنے سپاہیوں کا تذکرہ کررہی تھی۔" حمید کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ پر بھی جن آنے والے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ اپنے ہوش میں کب تھی۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ وہ ہوش میں تھی۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور پھر اس نے وہ ساری باتیں دہرادیں، جو اس کے اور صولت مرزا کے درمیان ہوئی تھیں۔

"تو یوں کہیے نا کہ اس بار آملیٹ ہی بن جائے گا اپنا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا "لیکن اس بیچارے کتے کا کیا ہوگا جو صدہا سال سے آپ کی یاد میں گریہ زاری کررہا ہے۔"

"اسے دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔

"اچھا جناب اب مجھے تو بخش ہی دیجئے۔ میری ہڈیاں کافی ملائم ہیں اور گوشت بھی کچھ ایسا سخت نہیں۔ اگر کہیں اس بار یہ حویلی ٹوٹ پڑی تو میرے کپڑے دھوبی ہی کے یہاں پڑے رہ جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں انہیں منگوا کر محتاجوں کو تقسیم کرادوں گا۔"

"اور میرا سارا قرض بھی آپ ہی ادا کردیں گے۔"

"چلو یہ بھی منظور۔"

"اچھا تو ایک استدعا اور ہے۔"

"فرمایئے۔" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آج کی رات مجھے جی بھر کے سو لینے دیجئے۔"

"مرنے سے پہلے سونے کی خواہش غور طلب ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"بعض لوگ مرنے سے قبل عموماً ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تشویش ناک بات نہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فریدی بھی اٹھا۔

"ہمیں آج رات کو بہر حال جاگنا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہمیں نہیں مجھے کہئے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ مجھے دنیا کی کون سی طاقت سونے سے روکتی ہے۔"

"وہی طاقت جس نے کل رات کو مجھے تمہارے کمرے میں آرام کرسی پر سلا دیا تھا۔"

"شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس لڑکی سے ڈر گیا ہوں۔ لڑکی.... ہونہہ۔"

"نہیں بھئی! تم تو یونہی میرا دل خوش کر رہے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر.... چلتے رہو۔ چلو حکیم ارسلانوس سے ملتے آئیں۔"

"کون وہی خبطی.... خیر چلئے۔ تھوڑی کوفت ہی دور ہو گی۔"

وہ دونوں ارسلانوس کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گئے۔

اور پھر جب قصبے والوں نے ارسلانوس کے مکان کے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ان کی نظروں میں ارسلانوس ایسا آدمی نہیں تھا جس سے ماڈرن اور اپٹوڈیٹ قسم کے لوگ دلچسپی لے سکیں گے۔

فریدی اور حمید ایک قدیم طرز کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس میں ایک کافی بلند صدر دروازہ تھا اور دروازے کے اوپر بنے ہوئے سائبان میں ابابیلوں کے گھونسلے لٹک رہے تھے جن میں شور مچاتی ہوئی ابابیلیں گھس رہی تھیں۔ شام کی ہلکی نیلگوں سیاہی میں یہ عمارت کچھ

پراسرار سی معلوم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی باہر نکلا، جو غالباً ارسلانوس کا نوکر تھا۔ اس کی آنکھیں کچھ چندھیائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ حمید کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چمگادڑ اجالے میں ہنکاری گئی ہو۔

اس نے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

اندر گھستے ہی ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ وہ ناکوں پر رومال رکھے دہلیز سے گزر کر صحن میں نکل آئے۔ صحن کافی وسیع تھا اور صحن کے گرد بنے ہوئے چبوتروں پر چاروں طرف بڑے بڑے کابک رکھے ہوئے تھے جن سے کبوتروں کی غٹر غوں غٹر غوں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ کبوتر ابھی تک اوپر ہی بیٹھے اونگھ رہے تھے اور کچھ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے خانوں میں گھس رہے تھے۔ کچھ دیواروں پر تھے جنہیں ایک نوکر طرح طرح کی آوازیں نکال کر نیچے بلا رہا تھا۔

فریدی اور حمید کے ساتھ والے نوکر نے داہنی طرف کے دالان کی سمت اشارہ کیا جس کے اندر دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ارسلانوس ان کے خیر مقدم کے لئے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ہلکے نارنجی رنگ کا ٹخنوں تک لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں پر بڑے بالوں والی لومڑیوں کی کھال کے جوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے بڑے بڑے بالوں کے ڈھیر میں اپنے پیر گاڑ رکھے ہوں۔ اس وقت اس کے سر کے بالوں کا گلدستہ اوپر اٹھے ہونے کے بجائے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

"آؤ یار آؤ.... میں تو سمجھتا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔" حکیم ارسلانوس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ یہ آپ کیوں سمجھتے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میرے پاس دکھاوے کا ٹھاٹھ باٹ نہیں ہے۔"

"تو آپ مجھے اتنا تنگ نظر سمجھتے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں نہیں... تمہارا باپ بھی بڑا عالی ظرف تھا۔" ارسلانوس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ میرے عزیز ترین دوست مسٹر حمید ہیں۔"

"عزیز ترین! بھلا تم جیسے سنجیدہ آدمیوں کے ساتھ نالائقوں کا کیا کام۔"

حمید نے بھنا کر فریدی کا شانہ دبوچ لیا۔

وہ انہیں دالان میں لے آیا۔ یہاں کئی بڑے بڑے پلنگ پڑے ہوئے تھے جن میں سے کچھ پر کتابوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف پیتل کا ایک بڑا سا سماور رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور ارسلانوس سماور کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں ویسی ہی چائے پلاؤں گا جیسی میں خود پیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیسی چائے پیتے ہیں آپ؟" حمید نے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"بغیر دودھ کی۔"

"اور چائے کی پتیوں کے بجائے لکھنو کا خمیرہ استعمال کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دیکھا تم نے۔" حکیم ارسلانوس نے فریدی سے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"تم حکیم صاحب کے رتبے سے واقف نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "اپنے الفاظ واپس لو۔" اس نے حمید کو اشارہ کیا اور حمید کو الجھن ہونے لگی کہ آخر اس خبطی میں دلچسپی لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"اخلاق کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔" حکیم ارسلانوس نے سنجیدگی سے کہا۔

اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ اس وقت ایک انتہائی پر اسرار آدمی سے ہم کلام ہے کیونکہ اس نے اسے آج ہی ایسی حالت میں بھی دیکھا تھا جسے بعض سنجیدہ قسم کے بچے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

"مگر کچھ لوگوں کو دوسروں کو دکھ پہنچا کر ہی لذت حاصل ہوتی ہے۔" ارسلانوس نے پھر کہا۔ "انسانی زندگی کی منزل کے حصول میں لذت ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم دوسروں کو حصول لذت سے محروم تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ۔" فریدی نے جواب دیا۔ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آپ توریت کے متعلق کیا خیال ہے۔" ارسلانوس نے کہا اور جھک کر چائے دانی میں سماور

سے گرم پانی ڈالنے لگا۔

"آب توریت....!" فریدی نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں نے فلسفہ انگریزی میں پڑھا ہے۔"

"دیمقراطیس کا نام سنا ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"وہ آب توریت کا امام سمجھا جاتا ہے۔"

"اوہ تو شاید آب توریت سے ایپکیوریزم (Epicureanism) مراد ہے۔ ٹھیک ہے اس کے متعلق میرا وہی خیال ہے جو اوروں کا ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ فلسفہ ہم جیسے آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ وہ دراصل کسی فلسفیانہ بحث میں پھنس کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہاں ایک خاص مقصد کے تحت آیا تھا۔

"ایسا نہ کہو.... ہم سب کسی نہ کسی فلسفے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔" حکیم ارسلانوس نے کہا۔

"ہوگا.... لیکن میں فلسفے کو حاصل حیات نہیں سمجھتا۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ ان معاملات کے باوجود بھی فلسفہ....!" فریدی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ "ہماری معلومات تشنہ رہ جاتی ہیں۔"

"مثلاً....!" حکیم ارسلانوس پیالیوں میں چائے انڈیلتا ہوا بولا۔

"مثلاً ایک بہت معمولی سی بات۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یدھ راج گڑھی میں رونے والا کتا۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حکیم ارسلانوس منہ سکوڑ کر بولا۔ "فلسفے کو ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔"

"لیکن یہ لغویات بھی اسی دنیا میں جنم لیتی ہیں۔" فریدی نے سگار کیس اس کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا تعلق بھی ہماری زندگی سے ہے۔"

حکیم ارسلانوس نے ایک سگار لے کر ہونٹوں میں دبالیا۔ فریدی اور حمید نے چائے کی پیالیاں اٹھالیں، بغیر دودھ کی تلخ چائے تھی۔ اس میں شکر بھی خفیف ہی سی ڈالی گئی تھی۔ حمید نے گھونٹ لیتے وقت بُرا سامنہ بنایا۔ بہر حال وہ اسے زہر مار کرنی ہی تھی۔

"ہم آخر انہیں اس کائنات کے اجزاء کے کس خانے میں فٹ کریں گے۔" فریدی چائے کی چسکی لے کر ارسلانوس کا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پہلے ہی کش پر اسے بری طرح کھانسی آگئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" ارسلانوس نے کھانستے ہوئے بُرا سامنہ بنایا اور سگار کو صحن میں پھینک دیا۔

فریدی اپنا سگار سلگا کر اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کئی بار وہ آواز سنی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔" ارسلانوس نے کہا۔

"اب میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" حمید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور میں اس صورت میں آپ کی پوجا کروں گا اگر آپ فریدی صاحب کو بھی اپنا ہی جیسا بنادیں۔"

"کیا مطلب.....!" ارسلانوس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ کل رات کو اسی چکر میں میری جان گنوا چکے ہوتے۔"

ارسلانوس فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ٹھیک ہے! میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہ جانے کتنے اس حسرت میں مرگئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس چکر میں مت پڑو۔ اپنے بزرگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ وہ اکبر اعظم کے زمانے سے چیخ رہا ہے۔"

"اوہ.....!"

"تم شاید اس گڑھی کی تاریخ سے ناواقف ہو۔"

"قطعی! میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"یدھ راج اکبر کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اکبر نے اس کی خدمات کے صلے میں اس کو یہاں کی جاگیر عطا کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک تھا اور ملک کے کئی بڑے بڑے راجے اور مہاراجے بھی اتنے مال دار نہیں تھے۔ جسے ہم آج گڑھی کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ ایک بہت بڑا اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ ایک رات رانا پرتاب سنگھ کی فوجوں نے ندی پار کر کے قلعے پر شبخون مارا۔ شاید قلعہ دار پہلے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ رانا کی فوج نے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ساری دولت لوٹ لی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ تبھی سے اکثر برساتوں میں وہاں کتے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور ندی میں باڑھ آجاتی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اب تک سینکڑوں آدمی اس کا راز جاننے کی کوشش میں جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔"

"کیا اس کے راز سے کوئی اور چیز بھی وابستہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

حکیم ارسلانوس چونک کر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" اس نے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن میں تمہیں اس چکر میں نہ پڑنے کی رائے دوں گا۔"

"خیر چھوڑیے۔" فریدی نے اپنی پیالی ختم کر کے ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک دلچسپ چیز میں نے نوٹ کی ہے۔"

"وہ کیا.....!"

"یہی کہ اس قصبے کے بعض لوگ یونان پر بُری طرح عاشق ہیں۔"

"یعنی.....!"

"ایک تو آپ ہی یونانی علوم پر عاشق ہیں۔ صولت مرزا کو یونانی بتوں سے عشق ہے اور ان کی لڑکی۔ وہ تو خود ہی اب سے ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ قبل کی تہذیب کی ایک نمائندہ بن جاتی ہے۔"

ارسلانوس بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"وہ لڑکی مکار ہے۔ اپنی دادی کی طرح صولت مرزا کی ماں بھی کچھ دنوں تک اسی قسم کے ڈرامے کھیلتی رہی تھی۔ محض اس لئے کہ گھر والے اس سے خائف رہیں۔ وہ دوسروں پر چھائی رہے اور اب یہ چہیتا جمیلہ وہی کھڑاک پھیلا رہی ہے۔"

"مگر صولت مرزا تو کہتے ہیں کہ بچپن ہی سے اس کی یہ حالت ہے۔"

"میاں تم کیا جانو! اس نے سب کچھ اپنی دادی سے سیکھا ہے۔ مجھ سے پوچھو میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔ میرے اور ان کے آباؤ اجداد ایک ہی تھے۔"

"اوہ! اچھا صولت مرزا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میں عموماً ایسے موقعوں پر اپنے خیالات ظاہر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"کیسے موقعوں پر۔"

"کوئی اور بات کرو۔" حکیم ارسلانوس اکتا کر بولا۔ "نہ وہ لوگ میرے لئے کوئی اچھی رائے رکھتے ہیں اور نہ میں ان کے لئے۔"

"کیا عقیلہ بھی نہیں! وہ تو کافی سمجھ دار عورت ہیں۔ وہ یقیناً آپ کی کافی عزت کرتی ہوں گی۔"

"اوہ سمجھا! شاید تم کوئی سمجھوتہ کرانے آئے ہو۔" ارسلانوس ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "یہ ناممکن ہے.... یہ ناممکن ہے۔"

"بھلا سمجھوتہ کیسا....!" فریدی نے تحیر آمیز انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو عقیلہ میری کون ہے۔"

"نہیں۔"

"میری بہو ہے۔ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا۔ انہوں نے ہمیں ہمیشہ ذلت کی نظروں سے دیکھا ہے۔"

"زہر دے کے....!"

"ہاں عقیلہ بجائے خود ایک زہر ہے۔ اس کی حرکتوں کی بناء پر میرا اکلوتا بیٹا ٹی۔ بی کا شکار ہو کر مر گیا۔"

"اوہ وہ بچے! کیا عقیلہ کی دوسری شادی ہو گئی۔"

"نہیں! وہ میرے لڑکے کی اولاد ہیں۔"

وہ مردے

حکیم ارسلانوس سے واپسی کے وقت فریدی بہت خاموش تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکا جس کے کان میں بگل بجا رہا تھا اس کا پوتا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے پر خیال انداز میں چلتے چلتے رک کر کہا۔ "ہاں اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ صولت مرزا وغیرہ نے ہی اسے بچوں اور بزرگوں کا فرق نہیں سمجھایا۔"

"خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو وہ خبطی بھی بھوت ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہیں۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور سگار سلگا کر پھر چل پڑا۔ حمید خاموش رہا۔ اس کی طبیعت کافی بیزار ہو چکی تھی۔ شاید اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ خوبصورت لڑکیوں کا قرب حاصل ہونے کے باوجود بھی اس پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ جب بھی اسے جمیلہ کا کٹا ہوا چہرہ اور وحشت زدہ آنکھیں یاد آتیں تو اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ جاتی اور پھر جب وہ شکیلہ کے متعلق کچھ سوچنے کی کوشش کرتا تو خود بخود اس کی طبیعت میں جھلاہٹ پیدا ہو جاتی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگے۔ کبھی کبھی اسے خود پر بھی غصہ آنے لگتا۔ اس نے فریدی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے اور وہ ان سے اکتایا بھی تھا۔ مگر اس بار کی اکتاہٹ بالکل مختلف تھی اور پھر جب وہ اُسے اپنی بزدلی پر محمول کرنے لگتا تو وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس کے جسم سے کافی خون نکل چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کمزوری اسی بنا پر پیدا ہوئی ہو اور آہستہ آہستہ دور ہو جائے۔ لیکن اس دل بہلاوے کے باوجود بھی وہ خبیث ارواح کا خوف اپنے ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر صولت مرزا کے خاندان والوں کے ساتھ حمید بھی موجود تھا۔ جمیلہ کے علاوہ اور سب لوگ گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے کھانے کے دوران میں ایک دو بار صرف باورچی سے بات کی تھی۔ وہ بھی کھانے کی اچھائی یا برائی کے متعلق۔ نہ تو کسی دوسرے نے اسے کسی بات پر مخاطب کیا اور نہ اسی نے کسی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھا۔ مگر وہ اس رویے سے لاپروائی کے بجائے کچھ دبا دبا سا خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات کے بعد سے اب دیکھا تھا۔ وہ فریدی کے بیان کے مطابق صرف ایک چڑچڑے مزاج کی لڑکی معلوم ہو رہی تھی اور بس۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ رومان انگیز تاثرات نہیں تھے جو پچھلی رات کو دکھائی دیے تھے۔

شکیلہ فریدی کو بتا رہی تھی کہ اس نے اس کے کن کیسوں کے تراشے اکٹھا کئے ہیں اور انہیں

کس طرح ایک البم کی شکل میں ترتیب دیا ہے اور اب اس پر فریدی کے آٹوگراف لینا چاہتی ہے۔
صولت مرزا گفتگو میں حصہ ضرور لے رہا تھا لیکن اس کا ذہن کسی اور طرف معلوم ہوتا تھا۔ اکثر وہ کوئی بات کہتے کہتے اچانک رک کر کچھ سوچنے لگتا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آ بیٹھے۔ لیکن اب جمیلہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی کا دور شروع ہو گیا۔ عقیلہ نے بچوں کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس لئے ایک اکتا دینے والے ہنگامے سے نجات مل گئی تھی۔ اس دوران میں کہیں اتفاق سے صولت مرزا نے لطیفہ چھیڑ دیا۔ پھر کیا تھا۔ حمید نے جواباً اتنے لطیفے سنائے کہ تھوڑی دیر بعد وہ سب ہنسنے میں بھی کاہلی محسوس کرنے لگے۔ خصوصاً شکیلہ تو ہنستے ہنستے بے دم ہو گئی تھی۔

اور پھر جب فریدی نے یدھ راج گڑھ کی بات چھیڑی تو حمید کو بے تحاشہ غصہ آ گیا۔ چونکہ عقیلہ اور شکیلہ کے لئے یہ موضوع بہت پرانا ہو چکا تھا اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گئیں اور حمید کے ذہن پر ایک خواب ناک سی کاہلی مسلط ہو گئی۔

فریدی صولت مرزا سے ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جنہوں نے کتے کی آواز کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔

"بھئی تم نہیں جانتے۔" صولت مرزا رازدارانہ انداز میں بولا۔ "اس سے ایک دوسرا خبط بھی وابستہ ہے۔"

"کیا....؟"

"کسی پُر اسرار خزانے کی تلاش۔" صولت مرزا نے کہا۔ "اور یہ خزانے والی بات بھی میرے ہی خاندان والوں کی زبانی باہر تک پہنچی ہے۔"

"وہ کس طرح....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بڑی لمبی داستان ہے لیکن میں اختصار کے ساتھ بتانے کی کوشش کروں گا۔ ہم سے پہلے یہ جاگیر یدھ راج نامی ایک سردار کے پاس تھی لیکن یہ آج کی بات نہیں۔ اکبر اعظم کے دور کی بات ہے۔"

اور پھر صولت مرزا نے یدھ راج اور یدھ راج گڑھی کے متعلق وہی کچھ بتایا جو ارسلانوس نے بتایا تھا۔

"پھر عہد جہانگیری میں یہ جاگیر ہمارے خاندان میں منتقل کر دی گئی۔ ہم تک پہنچا یہ نہ

پوچھو تو بہتر ہے۔"

"اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو یہ بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات ذرا مضحکہ خیز ہے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "اور پھر تمہارے ساتھ ایک ایسے صاحب موجود ہیں جو لطیفہ گو بھی ہیں۔ اگر انہوں نے ....."

"یقین کیجئے کہ میں بڑا شریف بچہ ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"بھئی بادشاہوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوا کرتی تھیں۔ بات بات پر انعامات اور قتل کے فرمان چلا کرتے تھے۔ مغل بادشاہوں میں خصوصیت سے جہانگیر ان باتوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ قتل تو خیر اس نے کم ہی کرائے ہوں گے لیکن انعامات بہت تقسیم کئے ہیں اور وہ بھی ذرا ذرا سی باتوں پر۔ میرے ایک مورث اعلیٰ جہانگیری فوج میں ایک معمولی سپاہی تھے ایک بار بادشاہ دلی سے آگرہ جا رہے تھے۔ تھوڑی فوج بھی ساتھ تھی۔ اس میں میرے مورث اعلیٰ بھی تھے۔ خیال تھا کہ رات کو کہیں پر پڑاؤ ضرور ہوگا۔ لیکن جہانگیر عالم خوشی میں چلا ہی جا رہا تھا۔ لوگ دن کے سفر سے تنگ آگئے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے اتنے میں کسی سردار نے کہا کہ آج کم بخت الو بھی نہیں بولتے۔ یہ ایک بوڑھا سردار تھا اور اکثر جہانگیر کی جوانی کے زمانے میں اس کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر جہانگیر رات کے سفر میں الو کی آواز سن لیتا تو فوراً ہی قیام کا حکم جاری کرا دیتا تھا۔ ہمارے مورث اعلیٰ نے جب یہ بات سنی تو وہ الو کی بولی بولنے پر تیار ہو گئے۔ کام بڑا خطرناک تھا۔ یہ بات صرف اس سردار اور دو سپاہیوں تک محدود تھی۔ قافلہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ حضرت آگے بڑھ گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر الو کی طرح آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ الو کی آواز سنتے ہی جہانگیر نے قیام کا حکم دے دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اسی رات کو کسی نے بادشاہ تک خبر پہنچا دی کہ الو مصنوعی تھا۔ جہانگیر نشے میں تھا۔ اس پر اسے غصہ آنے کی بجائے ہنسی آ گئی۔ مورث اعلیٰ صاحب طلب کئے گئے اس نے ہنس کر انہیں بوم الدولہ اور منحوس الملک جیسے خطابات سے نوازا اور یدھ راج نگر کی جاگیر عطا کر دی۔

صولت مرزا خاموش ہو گیا اور ہنسنے لگا۔

"اس طرح میں اپنے خاندان کا آٹھواں الو ہوں۔" اس نے کہا اور مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو مضحکہ خیز حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اور وہ خزانے کی بات۔" فریدی نے پوچھا۔

"جاگیر کے ساتھ ہی ساتھ وہ قلعہ بھی ہاتھ آیا جو یدھ راج گڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خراب حالات میں نہ رہا ہوگا۔ یدھ راج ایک دولت مند آدمی تھا۔ اس نے ایک بڑا شاندار تخت بنوایا تھا جس کا تذکرہ اکثر پرانی کتابوں میں ملتا ہے اور وہ اس وقت تخت عقرب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی شکل ایک بہت بڑے بچھو کی تھی اور وہ خالص سونے کا تھا۔ بے شمار جواہرات اس میں جڑے گئے تھے۔ اس نے وہ تخت اکبر اعظم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بنوایا تھا۔ رانا کے آدمی اس کی تاک میں تھے۔ ایک رات انہوں نے گڑھی پر شب خون مارا اور یدھ راج کو قتل کر کے اس کی ساری دولت سمیٹ لے گئے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ وہ تخت ان کے ہاتھ نہیں لگا اور وہ اب بھی گڑھی ہی میں کہیں پوشیدہ ہے۔ خود میری خاندانی روایت بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ میرے اسلاف میں سے بھی بہتیرے اس کی جستجو کر چکے ہیں۔ لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی اور خیر میں اسے بالکل ہی لغو خیال کرتا ہوں۔ اپنے خاندان میں میں ہی ایسا ہوں جس نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

فریدی خاموشی سے سن رہا تھا۔ صولت مرزا کے آخری جملے پر وہ خفیف سا مسکرایا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا اور حمید سوچ رہا تھا کہ حکیم ارسلانوس نے اس تخت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسے اس کا علم ہی نہ ہو لیکن پھر بھی وہ.... صولت مرزا سے پوچھ ہی بیٹھا۔

"حکیم ارسلانوس صاحب بھی اس سے واقف ہی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔ "واقف تو قریب قریب سبھی ہیں لیکن یقین بہت کم لوگ رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" فریدی بولا۔ "یہ حکیم صاحب واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ شام کو ہم لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ لیکن وہ بہت قائدے سے ملے یہاں تو انہیں بالکل ہی مخبوط الحواس سمجھا تھا۔"

"جھکی آدمی ہیں۔ کبھی قاعدے کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی دماغ بالکل الٹ جاتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کیا وہ آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں بھئی قریبی ہیں۔ عقیلہ کی شادی ان کے لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی۔"

"تو کیا وہ بچہ ان کا پوتا ہے جسے وہ آج پریشان کر رہے تھے۔"

"بس یہی دیکھو! تم نے شاید ہی کسی دادا پوتے سے یا پوتے کو دادا سے اس قدر بے تکلف دیکھا ہو۔ جاوید کو انہوں نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ! سارے بچے انہیں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔"

"بہر حال وہ ایک بہت ہی پُر اسرار آدمی ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کر کے سگار سلگانے لگا۔

حمید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں پچھلی رات وہ سویا تھا۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور قندیل بجھا کر لیٹ گیا۔ نیند بُری طرح مسلط تھی لیکن فریدی کے اس رویے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے وہاں سے ہٹا کیوں دیا۔ کیا کوئی ایسی اہم بات بھی ہو سکتی ہے جسے فریدی صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کہیں وہ خزانہ تو نہیں جس کا تذکرہ صولت مرزا نے کیا تھا۔ مگر وہ فریدی کی طبیعت سے واقف تھا۔ فریدی جس نے دولت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ کیا وہ ایک روایتی خزانے کے متعلق اسے اندھیرے میں رکھنا چاہتا ہے۔ حمید کا ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔ چند لمحے بعد اس کے خیالات کی رو جمیلہ کی طرف بہک گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہوں۔ لیکن پھر اسے اپنی بزدلی پر ہنسی آ گئی۔ پاگل سہی .... ہے تو عورت ہی اور وہ بھی گھریلو قسم کی۔ عورت نہ ہو، ہنٹر والی ہو سکتی ہے اور نہ چشمے والی پھر آخر خوف کی وجہ، ہو سکتا ہے کہ اس پر پیچ ہسٹیریا قسم کا کوئی دورہ پڑتا ہو اور اگر نہ بھی پڑتا ہو تو اس کی ایسی تیسی، ایسی تیسی، ایسی تیسی.... اور پھر اس کا ذہن "ایسی تیسی" کی گردان کرتا ہوا نیند کی تاریک دلدل میں ڈوب گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سمجھا کہ شاید کسی ڈراؤنے خواب نے اسے جگا دیا ہے لیکن پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے جگا رہا ہو۔

"شش! میں ہوں۔" اسے اندھیرے میں فریدی کی سرگوشی سنائی دی۔

"کیا بات ہے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آہستہ بولو۔ اس پر دورہ پڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔ "اور شاید اب اس کے بھوت آہستہ آہستہ آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ ناخن کے عقل..... عق عق..... ل..... کے ناخن لیجئے۔"

"عقل کے بچے۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔" فریدی نے اسے کھینچ کر اٹھا لیا۔

"میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دوں گا۔" حمید جھنا کر بولا۔

"تمہارے حلق سے آواز ہی نہ نکل پائے گی۔" فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ارے ارے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چپ چاپ چلے آؤ۔"

"خدا نے مجھے آدمی بنا کر سخت ظلم کیا ہے۔" حمید جھنجھناتا ہوا چپل کی تلاش کرنے لگا۔

"جلدی کرو۔"

اور پھر وہ دونوں آہستہ سے برآمدے میں آ گئے چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ حمید فریدی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ جھاڑیوں اور مہندی کی باڑوں کی آڑ لیتا ہوا عقبی پارک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پارک میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ بعد میں حمید نے دیکھا کہ وہ ایک مشعل کی روشنی تھی۔ جیلہ اپنے ہاتھوں میں مشعل اٹھائے اور بایاں ہاتھ سینے پر رکھے بتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈائنا کے بت کے قرب و جوار میں اگی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ اس وقت جیلہ سچ مچ اب سے ہزاروں برس پہلے کی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹخنوں تک لپٹا ہوا ڈھیلا لبادہ اس وقت جدید طرز کا سلیپنگ گاؤن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور ایک سرکش سی لٹ چہرے کے سامنے لہرا رہی تھی اور مشعل کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح مہک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر ایک بت کے سامنے آئی اور اس کے چہرے کے برابر مشعل لے جا کر کہنے لگی۔

"تم کبھی نہیں بولو گے! کاش تمہارے پتھریلے جسم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی ہوتا۔ میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ زفورس کیا میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔ خیر اگر تم یہی چاہتے ہو تو اس جسم کو بھی مٹی کے کیڑے کھا جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بھی ایک دن

خاک ہو جائے گا۔ بولو زفورس کیا تمہیں وہ شام یاد نہیں جب ہم نیل کے شفاف پانی پر اپنے طلائی بیڑے میں سیر کر رہے تھے اور ہم نے مغرب کی طرف سرخ دھوئیں کے بادل دیکھے تھے اور تم نے کہا تھا کہ بادلوں کی دیوی قربانی چاہتی ہے۔ پھر ہم دوسرے دن سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ بادلوں کی دیوی کا مندر جو دودھ کی طرح شفاف اور اجلا ہے وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ تم نے سب کچھ بھلا دیا؟ تم نے اصیل مرغ قربان کرتے وقت کہا تھا کہ تم زندگی بھر میرے ساتھ رہو گے۔ تم سب کچھ بھول گئے۔ زفورس تمہیں قسم ہے۔ اس قصر زمردین کی جہاں سب سے بڑے معبود کے غلام رہتے ہیں۔ جہاں فضاؤں میں طلائی ابابیلیں پرواز کرتی ہیں۔ سب سے بڑے معبود کے مرکب مقدس نیولے کی قسم مجھے تو سب کچھ یاد ہے جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔ عود عنبر کے دھوئیں کے پیچھے لو دیتا ہوا چہرہ یاد ہے۔ بادلوں کی نسیم تن دیوی کا مقدس چہرہ اس کی ملکوتی مسکراہٹ یاد ہے۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ زفورس لیکن تم نے؟ کیا تمہارے فولادی بازو تھک گئے۔ کیا تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے سڈول سینے پر جھریاں پڑ گئیں۔ میں چند اجنبیوں میں قید ہوں۔ کیا تم مجھے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں جو سیاہ فام باغیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کرتی تھی میں جو بچپن میں سانپوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میں جس نے ہراتلیس کی آنکھیں اپنی انگلیوں سے نکال لی تھیں۔ ایک معصوم فاختہ کی طرح بے بس ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے اپنا چہرہ بائیں ہاتھ سے چھپا لیا۔

"میں اس کو ڈربی کی چاکلیٹ کھلاؤں گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

"اچھا میں تو چلا.....!" حمید نے پھر کہا۔

"کہاں.....!" فریدی نے پوچھا۔

"اسی کے پاس، اس سے جا کر کہوں گا۔ جان من۔ میں تمہارا زفورس ہوں۔ باپ کا نام پوچھے گی تو چورس بتاؤں گا پھر نہایت ادب سے ایک چاکلیٹ پیش کر کے یا تو تارک الدنیا ہو جاؤں گا یا اس کی بڑی بہن سے شادی کر لوں گا۔ اس طرح بچے مفت ہاتھ آئیں گے۔"

"چپ رہو سور۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں کس کس الابلا کی قسم کھا رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "قسم ہے اس ولایتی خرگوش کی

جو سال میں تیس انڈے دیتا ہے۔ یہ لڑکی کسی رات صولت مرزا کو قتل کر کے نکل جائے گی۔ اس کے سر پر فلم کمپنی کا بھوت سوار معلوم ہوتا ہے۔"

"بکو مت.....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

پھر انہوں نے جمیلہ کی سسکیوں کی آوازیں سنیں، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"بھئی مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو گدھے! صولت مرزا بھی یہیں کہیں چھپا ہوگا۔"

"ارے یہ کیوں!"

فریدی نے کوئی جواب دیے بغیر حمید کا شانہ دبا دیا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں اور اگر فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ بھی نہ دبا دیا ہوتا تو اس کی چیخ سارے پارک میں اٹھی ہوتی۔ بت کے پیچھے سے پانچ قد آور آدمی نکل آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے اور خم کھائی ہوئی مستطیل ڈھالیں تھیں۔ لباس قدیم رومن یا یونانی سپاہیوں جیسا تھا۔ سروں پر آہنی خود تھے اور سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز وہ روشنی تھی، جو ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی تھی بلکہ زرد رنگ کی روشنی جس کا عکس ان کے سینوں پر پڑی ہوئی چمکدار زرہوں پر پڑ رہا تھا۔ ان کے چہرے مشعل کی روشنی کے احاطے سے باہر تھے۔ دفعتاً جمیلہ ان کی طرف جھپٹی۔

"تم آ گئے۔ بتاؤ زفورس کہاں ہے۔ آج تم مجھے لے کر ہی جاؤ گے۔ بولو جواب دو۔"

ان میں سے ایک کے ہونٹ ہلتے رہے، جیسے وہ کوئی بات کہہ رہا ہو۔ لیکن آواز ندارد۔ پھر وہ سب تعظیماً جھکے۔

جمیلہ نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا جس کے ہونٹ ہلے تھے۔

"میں کچھ نہیں سن سکتی۔" زور سے بولو۔ "کیا تم بہرے ہو۔"

اس کے ہونٹ پھر ہلے۔ لیکن آواز نہ نکلی۔ اس بار جمیلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا جس کی آواز فریدی اور حمید نے صاف سنی۔ تھپڑ کھانے کے باوجود بھی وہ بت بنا کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔

حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کیوں اب کیا خیال ہے بیٹا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "نکلنے لگی جان۔"

حمید بدستور خوف کے مارے دانت کٹکٹاتا رہا۔

تھپڑ کھانے والے نے اپنا نیزہ اور ڈھال زمین پر ڈال دیئے اور پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر تشنجی کیفیت طاری ہو گئی۔

حمید فریدی سے لپٹا جا رہا تھا۔ ادھر اس پُر اسرار آدمی کی حالت غیر نظر آ رہی تھی۔ بقیہ چار خاموش کھڑے تھے۔ دفعتاً وہ پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرہ بھی زندہ آدمیوں جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

"نقارہ....!" اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"اے وادی نیل کی بیٹی۔" اس نے زمین سے اپنا نیزہ اور ڈھال اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو اس نقارے کے بغیر اس طلسم سے نکل نہیں سکتی۔"

اس کی آواز آدمیوں جیسی نہیں تھی۔ اس میں کچھ عجیب سا کھوکھلا پن موجود تھا۔ ویران ویران سی آواز۔

"میں نہیں جانتی تو کس نقارے کا ذکر کر رہا ہے۔"

"وہ اسی عمارت میں کہیں موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔

دفعتاً فریدی نے حمید کو پرے ہٹا دیا اور جھاڑیوں سے نکل کر ایک طرف رینگنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ادھر نہ جانے کیوں جمیلہ نے مشعل زمین پر گرا دی اور اس پر پیر رکھ کر اسے بجھا دیا۔ پارک میں تاریکی چھا گئی۔ صرف ان پانچ آدمیوں کے چہرے روشن تھے۔ اچانک حمید کو بعض دیوتاؤں کی تصویریں یاد آ گئیں جن کے چہروں کے گرد روشنی کے ہالے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اسی قسم کی ملکوتی روشنی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر تھرا گیا۔

آسمان پر پھر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ اندھیرا پہلے سے زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ فضا میں انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے ان پُر اسرار آدمیوں کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے اور اب تو ان میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ چل رہے تھے۔ فریدی اور حمید جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ دفعتاً فریدی ٹھٹھک گیا۔ وہ اصطبل کی طرف جا رہے تھے اور شاید جمیلہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ حمید نے فریدی کے ہاتھ میں دبا ہوا پتلی سی ڈور کا ایک لچھا دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ آخر وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فریدی کو کس طرح روکے اس نے کئی بار کچھ کہنا چاہا لیکن منہ سے آواز نہ نکلی۔ بس وہ مشینی طور پر فریدی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے اس فعل میں ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ساری قوت کسی پراسرار طریقے پر زائل ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ فریدی کے ساتھ گھسٹتا پھر رہا تھا۔

جمیلہ ان آدمیوں سمیت اصطبل میں داخل ہو گئی۔ حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس سلسلے میں اصطبل ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ آخر اصطبل میں کیوں! فریدی کے خیال کے مطابق انہیں شاید کسی چیز کی تلاش تھی۔ اس وقت اس نے ان کی زبان سے "نقارے" کا نام بھی سنا تھا۔ اگر انہیں کسی نقارے کی تلاش تھی تو پھر بار بار اصطبل کا رخ کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ حمید کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال تھے۔ اگر وہ واقعی اب سے ہزاروں سال قبل کے مردے تھے تو ان کا یہاں کیا کام! ظاہر ہے کہ جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مخصوص حالت کے تحت خود کو اس کی قیدی سمجھنے لگے۔ یہ سب کچھ سہی لیکن کم از کم حمید کا ذہن اب اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو جانے کے بعد صرف مریض ہی کو عجیب و غریب شکلیں نظر آ سکتی تھیں۔ دوسروں کو نہیں۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ حمید اس قسم کی گتھیوں میں الجھا ہوا فریدی کے ساتھ ساتھ رینگتا رہا۔ پھر فریدی اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ باہر نکل آئے۔ دفعتاً فریدی نے رسی والا ہاتھ بلند کر کے اسے گردش دی اور دوسرے لمحے میں رسی اس کے ہاتھ سے نکل کر پراسرار آدمیوں کی طرف جھپٹی اور پھر ان کے چہروں کی روشنی غائب ہو گئی۔ ادھر فریدی نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اندھیرے میں کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"خبردار اگر اپنی جگہ سے ہلے تو گولی ماردوں گا۔" فریدی کی گرجدار آواز دور تک لہراتی چلی گئی۔

لیکن جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ فریدی نے رسی کو کھینچنے کے لئے زور لگانا شروع کر دیا۔ مگر بے سود۔ آخر اسی نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالی.... اور روشنی ہوتے ہی اس کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔ اصطبل کے قریب جمیلہ تنہا کھڑی تھی اور رسی کا دوسرا سرا اصطبل کے سائبان کے ستون کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ فریدی دیوانہ وار چاروں طرف دوڑنے لگا۔

بیلہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔" قریب ہی کہیں صولت مرزا کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس دوران میں فریدی نے پورے پارک کی دوڑ لگا ڈالی۔ لیکن ان پُر اسرار شخصیتوں کا سراغ نہ ملا۔

"بڑے دلیر ہو.... بہت دلیر۔" صولت مرزا نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے بہت بُرا کیا۔"

"یقیناً میں نے بُرا کیا کہ انہیں نکل جانے دیا۔"

"یہ بات نہیں۔ وہ ہرگز ہماری دنیا کے آدمی نہیں ہیں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... دیکھو.... تمہاری کمند کہاں پھنسی ہے۔" صولت مرزا نے رسی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر گرا کون تھا۔"

"میں....!" صولت مرزا بولا۔ "ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔"

جمیلہ ڈرامائی انداز میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا جی! آپ بھی بہک رہے ہیں۔" فریدی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

جمیلہ ان کے قریب آ کر رک گئی۔

صولت مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔ فریدی نے جھپٹ کر جمیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل لڑکی۔" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ کیونکہ جمیلہ اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے بُری طرح زور لگا رہی تھی۔

"اب تو بہتر یہی ہے کہ میں اسے زہر دے دوں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اندر چلو۔" فریدی نے اسے عمارت کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

بمشکل تمام وہ اسے اس کے کمرے میں لائے۔ یہاں اسی جدوجہد میں اس کا ہاتھ میز پر جا پڑا اور دوات ایک کتاب پر الٹ گئی۔ وہ ان پر بُری طرح خفا ہوتی رہی.... نہ جانے کتنی مغلظات سنا ڈالیں پھر تقریباً دو بجے اسے نیند آگئی۔

بے تکے اشعار

دوسرے دن صبح جب فریدی اور حمید ناشتہ کرنے کے لئے اندر جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک کمرے میں جمیلہ کی آواز سنی جو کسی پر بگڑ رہی تھی۔

"میری میز پر سیاہی کس نے گرائی.... صاف صاف بتاؤ، ورنہ کھال ادھیڑ دوں گی۔ حرام خور۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ سچ سچ بتادو، ورنہ تم سب کی شامت آجائے گی۔"

فریدی نے دروازے کو خفیف سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ جمیلہ کے سامنے تین نوکرانیاں سر جھکائے کھڑی تھیں وہ ان پر برس رہی تھی۔

"محترمہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"آپ سے؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ "آپ میرے کمرے میں۔"

"جی ہاں! رات آپ کی طبیعت پھر خراب ہو گئی تھی۔"

جمیلہ خاموشی سے فریدی کو دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے نوکرانیوں کو باہر جانے کے لئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" جمیلہ بولی۔

"کس سلسلے میں۔"

"عجیب بات ہے کہ میری طبیعت خراب ہوتی ہے اور مجھے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ روز صبح ایک نہ ایک نئی کہانی سنتی ہوں، میں کس طرح یقین کروں کہ مجھ پر دورہ پڑتا ہے۔ ابا جانی کا خیال ہے کہ زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے تقریباً ایک ماہ تک کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن گھر والوں کے بیان کے مطابق مجھے اس حال میں بھی دوروں سے نجات نہیں

ملی۔ اوہ.... خیر چلئے، شاید آپ لوگ ناشتے کے لئے جا رہے تھے۔"

وہ ان کے ساتھ ہولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ایک بار بھی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں ہوش میں کی تھیں۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب بھی اپنے ہوش میں نہ ہو اور کسی بھی لمحے میں پلٹ کر اس کی گردن دبوچ سکتی ہے۔

وہ ڈرائینگ روم میں آئے۔ یہاں صولت مرزا عقیلہ اور شکیلہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ناشتے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ شکیلہ جب بھی زیادہ بولنے کی کوشش کرتی جمیلہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتی تھی۔ عقیلہ کی گھریلو قسم کی باتوں پر اس کے ہونٹ سکڑ جاتے تھے۔ عقیلہ کے بچوں سے تو وہ بُری طرح بیزار معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت وہ فریدی میں خاص طور پر دلچسپی لے رہی تھی۔

"ابا جانی کہتے ہیں کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔" جمیلہ نے فریدی سے کہا۔

"خاک بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "البتہ فرصت کے اوقات میں تھوڑا بہت پڑھنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔"

"یونانی اساطیر کا مطالعہ کیا ہے آپ نے؟"

"شاید....!" فریدی اثباتی انداز میں مسکرایا۔

"مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے کہ اس دیوی کا کیا نام تھا جس نے نارسی سس کو خود پرستی کی بدعادی تھی۔"

"ڈائنا....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"ڈائنا.. ڈائنا..." جمیلہ سر ہلا کر بولی۔ "میری یادداشت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

حمید شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے چپ چاپ ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتے کے بعد لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں اور وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

"اس وقت وہ قطعی ہوش میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں! لیکن بھئی اب میں عاجز آگیا ہوں۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ نہ جانے وہ پانچوں کون ہیں۔" نواب صاحب تشویش کن لہجے میں بولے۔

"آپ رات کو ان کا کمرہ باہر سے مقفل کیوں نہیں کرا دیا کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ لیکن جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوا۔ پہلے تو وہ شور مچاتی رہی پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر لیا۔ بھلا بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی رات بھر جاگتا رہتا ہے اور ادھر کئی دن سے میں ہی جاگ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان پانچوں پر میرے علاوہ کسی اور کی نظر پڑے۔"

"واقعی آپ بڑے صبر آزما حالات سے دوچار ہیں۔" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتی ہیں تو پھر انہیں اپنی مادری زبان کیونکر یاد رہتی ہے۔"

"ارے میاں! اس کا بھی بڑا لمبا قصہ ہے۔" صولت مرزا نے چائے دانی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شروع شروع میں اس پر گونگے دورے پڑتے تھے اور وہ تیرہ سال کی عمر میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح صرف غوں غوں کر لیا کرتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اس نے خوردسال بچے کی طرح ہکلا ہکلا کر بولنا شروع کیا اور یہ اتنی صاف زبان اسے سات سال کے عرصے میں حاصل ہوئی ہے۔"

"تو گویا دورے کی حالت میں ان کی بات چیت غوں غوں سے شروع ہوئی ہے۔"

"ہاں قطعی۔" صولت مرزا نے پر خیال انداز میں کہا۔ "دورے کی حالت میں اس نے زبان سیکھی ہے۔"

فریدی پر خیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا پھر بولا۔

"میں تو آپ کو یہی رائے دوں گا کہ آپ انہیں انگلینڈ یا کسی دوسرے مغربی ملک میں لے جا کر عمدہ سائیکو انیلیسٹ کو دکھائیے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں ایک سائیکو انیلیسٹ کے لئے آپ کو تعارفی خط بھی دے سکتا ہوں۔ لندن کے ویسٹ اینڈ میں ڈاکٹر نائیلون بہت مشہور آدمی ہے۔ وہ زیادہ تر ذہنی امراض کا علاج بہت اچھی طرح کرتا ہے۔"

"ارے میاں وہ کسی لمبے سفر کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کئی بار کہا مگر جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اب میرے لئے دو راستے رہ گئے ہیں یا تو بدنامی برداشت کروں یا خودکشی کر لوں۔"

"بھلا اس میں بدنامی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ ایک مرض میں مبتلا

ہیں۔"

"لیکن اگر کسی اور نے بھی ان آدمیوں کو دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔"

"ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے۔"

صولت مرزا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے کی رہی سہی توانائی بھی بڑھاپے کے اضمحلال میں تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھوں سے ایک غم انگیز سنجیدگی ظاہر ہونے لگی تھی۔

فریدی بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرجنٹ حمید غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سوچنا چاہئے۔ اس وقت جمیلہ کو ہوش میں گفتگو کرتے سن کر وہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اگر وہ سب کچھ حقیقتاً محض ڈھونگ ہی تھا تو اس ڈھونگ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اس ڈھونگ والے نظریئے کو سرے ہی سے مسترد کر دینا پڑا۔ کیونکہ دوسری طرف صولت مرزا کا یہاں بچوں کی طرح زبان سیکھنا تیرہ سال کا ناپختہ ذہن اتنی مکمل اور جامع اسکیم نہیں بنا سکتا۔ خیر اچھا اگر اسے مرض ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان پر اسرار آدمیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "مرض کے لئے تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ پانچ آدمی۔"

فریدی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نوکر نے ارسلانوس کی آمد کی اطلاع دی۔

ارسلانوس اپنی تمام تر وحشتوں سمیت ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے ایک عجیب سا قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔

"فرمائیے۔" صولت مرزا نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

ارسلانوس اسے چند لمحوں تک عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا لہجہ کچھ ایسا ہے جیسے میں تم سے کچھ ادھار مانگنے آیا ہوں۔"

"دیکھئے! اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے۔" صولت مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"تو تم بھی غیر حاضر ہو جاؤ نا.... میں تو ان مہمانوں سے ملنے آیا ہوں۔"

صولت مرزا برا سا منہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑا اور اندر چلا گیا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ صولت مرزا کے

چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے وہ گیا تھا۔ یک بیک چونک کر فریدی کی طرف مڑا۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر نشست کے کمرے میں آئے۔

"ہاں تو محمد کمال افندی صاحب! کہئے رات کیسے گزری۔ آپ کی چوٹ کا کیا حال ہے۔" اس نے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رات اچھی گزری اور چوٹ میں بھی کافی افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"افاقہ.... ہاہاہا۔" ارسلانوس نے قہقہہ لگایا۔ "افاقہ۔"

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی۔" حمید نے جز بز ہو کر کہا۔

"ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اپنے بچپن کا۔" ارسلانوس ہنسی روکتا ہوا بولا۔ "لیکن میں بتاؤں گا نہیں۔"

"کیا کہا۔" حمید مصنوعی غصے کا اظہار کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو بتانا پڑے گا۔"

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"میں بے ہودگی نہیں پسند کرتا۔" ارسلانوس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کیوں ہنسے تھے۔"

"حمید....!" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ مت دخل دیجئے۔"

ارسلانوس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کا انداز لڑنے والا ضرور تھا لیکن چہرے پر اس قسم کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غیر ارادی طور پر اس سے کوئی حرکت سرزد ہونے والی ہے۔

فریدی اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یک بیک ان کے درمیان میں آ گیا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" فریدی ارسلانوس کو صوفے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "بزرگوں کو اتنا تیز مزاج نہ ہونا چاہئے۔"

پھر اس نے پلٹ کر حمید کو ڈانٹا۔

بدقت تمام وہ ارسلانوس کو بٹھانے میں کامیاب ہو سکا۔ حمید بھی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ابھی تک اسے گھورے جارہا تھا۔ اس نے دراصل یہ چھیڑ چھاڑ مذاقاً شروع کی تھی۔ لیکن اب نہ جانے کیوں اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میاں تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" ارسلانوس ہاتھ نچا کر بولا۔ "ایک منٹ کی گرفت میں ہڈیاں کڑکڑا جائیں گی۔ میں نے صاحب کے لونڈے کو تو ٹھیک ہی کر دیا۔ تم کیا مال ہو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "ہم واقعی آپ کے سامنے بچے ہیں۔ بھلا آپ کی پرانی ہڈیوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں۔"

ارسلانوس اب فریدی کو گھورنے لگا۔ حمید کم از کم اپنے متعلق تو یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ارسلانوس سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ اسے اس کی آنکھوں کی پُر اسرار ویرانی بڑی ڈراؤنی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت فریدی کی آنکھوں کو اس کی آنکھوں کے مقابل دیکھ رہا تھا۔ ارسلانوس خوفناک حد تک سنجیدہ نظر آرہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

دفعتاً ارسلانوس پھر ہنس پڑا اور اب وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فریدی سگار سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس خبط میں مبتلا ہو۔" اچانک ارسلانوس فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"لیکن تم بھی دوسرے احمقوں کی طرح مفت اپنی جانیں ضائع کر دو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"مطلب....!" ارسلانوس نے تیز قسم کی سرگوشی کی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں کل شام ہی کو سمجھ گیا تھا کہ تم یہ راج گڑھی کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو۔"

"بھلا کیوں!" فریدی استفہامیہ انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

"تخت عقرب کے لئے۔" سونے کا وہ فرضی تخت جس کے لئے سینکڑوں جانیں جا چکی ہیں۔ تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔"

"تو کیا آپ اس کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" فریدی اس کے قریب آ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک شاندار غپ ہے۔ میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ راناکے سپاہی یدھ راج کی دوسری دولت کے ساتھ اسے بھی لے گئے تھے۔"

"میرے خیال سے تو آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ تم میری معلومات کو چیلنج کر رہے ہو۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی معلومات کو چیلنج نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔"

"تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔" ارسلانوس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"بعض قدیمی قلمی کتابیں۔"

"کس کی لکھی ہوئی ہیں۔"

"نام تو مجھے یاد نہیں رہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ" فریدی جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ اندر کچھ شور سا سنائی دیا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہو کہو! یہاں تو سب ہوتا ہی رہتا ہے۔" ارسلانوس بیزاری سے بولا۔

"کیا ہوتا رہتا ہے۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ تم شاید اپنی معلومات کا رعب جما رہے تھے مجھ پر... ہاں... جاری رکھو۔"

"بہت مختصر سا بیان ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تخت عقرب یا تخت افعی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو اس کتے کی آواز کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ یار سچ مچ تم اپنے باپ ہی کی طرح پاگل معلوم ہوتے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پرخیال انداز میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ ارسلانوس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

"کیا وہاں نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوں....!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ تو یہ کہو۔" ارسلانوس منہ بنا کر بولا۔ "میں لونڈا نہیں ہوں۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتے کہ تم لوگوں کو میری موجودگی کھل رہی ہے۔"

"ارے نہیں قبلہ! تشریف رکھئے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے یہاں کے تھانے کے انچارج سے ملنا تھا۔ پھر کسی وقت مل آؤں گا۔"

"جی نہیں۔ جی نہیں۔ اسی وقت تشریف لے جائیے۔ میں بھی عدیم الفرصت ہوں۔" ارسلانوس نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بے ساختگی تھی جیسے وہ کسی خطرے کو ٹال کر بھاگا ہو۔

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔"

"آپ اکتائے تھے نا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات تم بالکل الو ہو جاتے ہو۔"

"ارے تو کیا سچ مچ آپ اس روائتی تخت کے چکر میں پڑگئے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر افواہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے۔"

"بس تو پھر اپنا تو صفایا ہو گیا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے وہ پیتل کی [1] مورتی اب تک یاد ہے۔"

"لیکن اس کی پشت پر بھی ایک حقیقت تھی۔"

"اور ہم اس حقیقت کو سونگھتے اور چاٹتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس آگئے تھے۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کیجئے۔ ہمیں یدھ راج گڑھی تک چلنا ہے۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی کے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"باپ رے۔" حمید پائپ سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔ "بھئی.... میں....!"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات میری بھی سن لیجئے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ رات مچھروں نے سونے نہیں دیا۔"

---

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"چلتے ہو یا گردن میں ہاتھ دوں۔"

"کیا مصیبت ہے چلئے صاحب۔ کاش میرے والد صاحب زندگی بھر کنوارے ہی رہتے۔"

"اب کھسکو بھی ورنہ تمہیں تو ناپید ہی کر دوں گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک چکیلی سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"سنئے۔"

دونوں چونک کر مڑے۔ صولت مرزا کی چھوٹی لڑکی شکیلہ عقبی دروازے میں کھڑی فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"فرمائیے۔" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ فریدی سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ اس کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ سی تھی۔ حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ارے بھئی میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر چلئے۔"

فریدی حمید کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا اور حمید پائپ میں منہ دبا کر اپنا سر سہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں مضحکہ خیز طور پر اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے لیکن فریدی واپس نہ آیا حمید اکتا کر برآمدے میں نکل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس بار کسی دوسری عورت نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بوکھلا کر مڑا۔ صولت مرزا کی دوسری پُر اسرار لڑکی جمیلہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ جمیلہ عادت کے مطابق اس وقت بھی اپنی تیکھی سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"فف.... فرمائیے۔" حمید ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چلے جاؤ.... تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ ڈرامائی انداز سے تیز قسم کی سرگوشی میں بولی۔

اس کی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے کی سلوٹیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

"چچ.... چلے.... جائیں گے.... بب.... بل.... بالکل چلے جائیں گے۔" حمید پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے کھڑی اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی اور حمید بوکھلا کر برآمدے میں نکل آیا۔ وہ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اسے آواز دی اور وہ جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

حمید تیزی سے اس کی طرف مڑا کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ ہلے۔ غصے کی شدت کی وجہ سے آواز نہ نکلی۔

"کیوں؟ کیا تم ان رات والے آدمیوں کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

"جناب۔" حمید زہریلے لہجے میں بولا۔ فریدی کو چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک برس پڑا۔

"جہنم میں گئی دوستی اور محبت۔ میں اس بھوت خانے میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"یار تم تو کسی خونخوار بیوی کی طرح پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔" فریدی نے اسے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "کچھ منہ سے بولو بھی تو۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "کیا اس شیطان کی نواسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کس سے۔"

"بھوتوں کی محبوبہ سے۔"

"کیا جمیلہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اے ہے۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "اس وقت ملی ہوتی تو یہ مسکراہٹ حلق سے اتر جاتی۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

حمید خود ہی اس وقت بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح فریدی کو سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال لے جائے۔ لہٰذا اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹھہرو..... میں ابھی آیا۔" فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید برآمدے سے نکل کر لان پر اتر آیا۔ وہ بار بار بوکھلا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگتا تھا کہ کہیں جمیلہ تو نہیں آرہی ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد فریدی پھر دکھائی دیا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کے ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں وہ حمید کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں سامان سمیٹتا ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہم یدھ راج گڑھی جارہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔

حمید کا دل چاہا کہ یا علی کا نعرہ مار کر سر کے بل کھڑا ہو جائے۔

"سنو! وہ اس وقت قطعی ہوش میں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس پر دورہ پڑا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ صولت مرزا سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صبح سے اب تک سوئی ہی نہیں لہٰذا اپنے ہوش میں ہے۔"

"ہوش میں ہو یا نہ ہو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"عورت ہے پیارے.... اور حسین بھی ہے اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے۔"

"مجھے تو بس اب بیس گز کفن چاہئے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔"

حمید منہ پھلائے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"یہ کیا....؟" حمید نے پوچھا۔

"پڑھ لو۔"

حمید نے اسے پڑھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ اس میں کچھ بے سروپا اشعار لکھے تھے۔

دھن دھن دھن نقارہ باجے
بچھو پر یدھ راج براجے
نقارے میں ڈنگ لگا ہے
مہابلی کا نقارہ ہے
بچھو پر الّو بیٹھے گا
ڈنگ پر چڑھ کر راج کرے گا

حمید استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ مجھے الّو کیوں سمجھنے لگے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ ہم لوگ آٹھویں الّو کے مہمان ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی پاگل پن کی توقع رکھ سکتے ہو؟"

"آپ پر کیا منحصر ہے میں خود کو ہی پاگل سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان اشعار کا مطلب سمجھے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "البتہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کروں گا اور جب میرے بچے اس قابل ہو جائیں گے تو انہیں بھی یاد کرا دوں گا اور انہیں وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کرا دیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے اچھے شعر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے مسکراتا رہا۔

مجھے یہ اشعار شکیلہ سے ملے تھے۔

ایک اشارہ

حمید بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خیریت.... خیریت۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ لڑکی بھی پاگل ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بھلا ان مہمل اشعار سے ذہن کے اس گوشے کا کیا تعلق جہاں عشق کے کیڑے کلبلاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اسے تو عشقیہ اشعار یا فلمی گیت لکھنے چاہئے تھے۔ مثلاً مار کٹاری مر جانا.... یا ہو گئی رے میں تو ہو گئی.... یا پھر دل لے کے چلے تو نہیں جاؤ گے ہو راجہ جی.... ہو راجہ جی۔"

"تم ہو خاصے چغد....!" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "تمہیں بس دو ہی باتیں آتی ہیں یا تو خرگوش کی طرح دبکتے پھرو گے یا پھر عشق! وہ بھی گھٹیا قسم کا۔"

"خیر خیر.... یہاں تو ہر چیز گھٹیا ہے۔ آپ ٹھہرے اونچے آدمی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ شکیلہ ضرور آپ کو اپنی طرف متوجہ کرلے گی۔ ہاں ذرا کمسن ہے۔"

"حمید کے بچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آخر تم اپنی طرح مجھے بھی کیا سمجھتے ہو۔"

"آپ بھی میری طرح آدمی ہیں۔"

"مگر میں نے زندہ رہنے کا طریقہ آدمیوں سے سیکھا ہے۔ کتوں سے نہیں۔"

"آپ مجھے کتا کہہ رہے ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"صرف کہہ ہی نہیں رہا ہوں بلکہ واپسی پر تمہیں کتوں کے ساتھ باندھوں گا۔"

"اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ یہ سب مذاقاً کہہ رہے ہیں تو میں....!"

"ہاں تو تم کیا کرتے۔" فریدی اسے تیکھے پن سے دیکھتا ہوا بولا۔

"صبر کرتا۔" حمید نے اتنی بے بسی سے کہا کہ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"خیر.... غیر ضروری باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال ہمیں۔"

"ٹھہریئے! پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"یدھ راج گڑھی سے واپسی پر ہم کہاں جائیں گے۔"

"ظاہر ہے کہ جہاں تھے۔"

"ناممکن! میں اب وہاں ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"تو کیا تم واقعی سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔"

"قطعی۔"

"یقین نہیں آتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یقین نہ آنے کی وجہ۔"

"میں نے تمہیں کبھی کسی جگہ سے بھاگتے نہیں دیکھا۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہوں۔"

"لڑکیاں کہہ رہے ہیں آپ انہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "اگر وہ لڑکیاں ہیں تو خدا شیطان کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"خدا کرے میری ہی طرح آپ بھی پاگل ہو جائیں۔"

"آخر تم جمیلہ سے ڈرتے کیوں ہو۔"

"چلئے یہ بھی ایک ہی رہی۔ مجھے آپ سے توقع نہیں تھی کہ آپ بچوں کی طرح باتیں کریں گے۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ یا تو مجھے معاف کیجئے یا خودکشی کی کوئی آسان سی ترکیب بتا دیجئے۔"

"یہ دونوں کام بہت مشکل ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں دراصل سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور منہ پھلائے راستہ طے کر رہا تھا۔ فریدی ہی بولتا رہا۔

"جمیلہ نے اس وقت جو بھی کہا ہے قطعی ہوش میں کہا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ۔ اس بات کا پتہ چلائے بغیر میں کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں کہ وہ یہاں ہماری موجودگی کیوں ناپسند کرتی ہے۔"

"ارے جاسوس اعظم۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "بلکہ ارسلانوس اعظم تو بالکل سامنے بات ہے۔"

"یعنی.....!"

"کل رات کو حضور اعلیٰ نے اس کے چہیتے بھوتوں پر حملہ کر دیا تھا۔"

"مگر دورے کی حالت کی باتیں تو اسے یاد ہی نہیں رہتیں۔"

"اور آپ کو اس شاندار غپ پر یقین آ گیا ہے۔"

"غپ نہیں ہے فرزند.....!"

"ہوسکتا ہے کہ اب ایشیا کا نامور سراغ رساں کچھ اور بلند ہو رہا ہو۔" حمید خشک قسم کے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ایشیا کا یہ کمترین جاسوس تم سے بہر حال زیادہ تجربہ کار ہے۔" فریدی نے چلتے چلتے رک کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"خیر نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" حمید بولا۔ "لیکن میں تو اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ ابلیس کی محبوبہ کسی رات سوتے وقت میری گردن ناپ دے۔ میں نے کل رات والے بھوتوں کی گفتگو سنی ہے۔"

"اچھا میاں صاحب زادے اگر تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں لچر قسم کی روایات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوگا کہ بھوتوں سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ بھوت معمولی آدمیوں کی طرح کسی نقارے کی تلاش میں کیوں ہیں۔"

"ممکن ہے..... نقارے سے ان کی کچھ اور مراد ہو۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے وہ بادشاہی حلوہ سوہن کو نقارہ کہتے ہوں اور اس اصطبل کو حلوائی کی دوکان سمجھتے ہوں۔ آخر، بھوت ہی ٹھہرے۔ ہماری طرح ان کے پاس عقل تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو بھوت کیوں بنتے کیونکہ بھوت بننے سے آسان تو لیڈری ہے۔"

"دیکھئے! کبھی کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کیجئے۔"

"میں اسی انتظار میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں کہ ایک بار تو تم کوئی قاعدے کی بات کہو اور میں مان کر آرام سے قبر میں جا سوؤں۔"

"اچھا اگر یہی بات ہے تو میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"مگر خدا کرے مجھ سے پہلے آپ کی گردن ناپی جائے تاکہ میں آپ کی روح کو سات سلام کرنے کے بعد خود بھی آپ کے پیچھے روانہ ہو جاؤں۔"

"اچھا بکواس بند۔"

"بند ہو گئی جناب۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آخری بات پوچھنے کی اجازت دیجئے۔"

"بے تکی نہ ہونی چاہئے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شکیلہ آپ کو کہاں لے گئی تھی۔"

"کیوں نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ میرا آٹوگراف لینا چاہتی تھی اس نے میرے کیسوں کے تراشے اخبارات سے جمع کر کے ان کا البم بنایا ہے۔ اسی البم پر میں نے آٹوگراف دیئے ہیں۔"

"تو کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ انسپکٹر فریدی کے سارے کارنامے سرجنٹ حمید کی مدد کے بغیر ادھورے رہ جاتے۔"

"جانتی ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو اس نے میرا آٹوگراف کیوں نہیں لیا۔"

"خیر اس پر بھی کبھی بحث ہو گی۔" فریدی نے کہا اور رک کر ایک راہ گیر سے یدھ راج گڑھی کا راستہ پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہی جا رہے تھے۔" فریدی پھر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"افسوس کی بات ہی تھی۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "ایسی ملائی قسم کی لڑکیوں کو تو ہر ایک کا آٹو گراف لینا چاہئے۔"

"پھر آ گئے اصلیت پر۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹو گراف نہ لیتی تو مجھے یہ بے تکے اشعار کبھی نہ ملتے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر فریدی کی طرف متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیوں بھلا ان اشعار کی کیا اہمیت ہے۔"

"بہت بڑی اہمیت ہے حمید صاحب۔ اگر اس لڑکی کا بیان صحیح ہے تو یہ اشعار بڑی قیمت رکھتے ہیں۔"

"یعنی.....!"

"یہ اشعار اس کی نظم کی کاپی میں لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کے انتخاب کے معاملے میں وہ

ایک باذوق لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ سوائے ان ... میں نے اس کی کاپی میں کوئی لچر اور بے تکی چیز نہیں دیکھی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"پوری بات سنو تو..... میں ان اشعار کو پڑھ ... ف دیئے ... جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہنے لگی کہ اس نے انہیں قدیم سمجھ کر تبرکاً ... اس سے ... اس نے ایک پرانے کتبے سے نقل کئے تھے جو یدھ راج گڑھی کی کھدائی ... آمد ہوا تھا۔

"اوہ..... تو یہ بچھو.....!" حمید چونک کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بہت دیر میں عقل آئی ہے۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف پھینکتا ہوا بولا۔

"تو کیا اس بچھو کا تعلق تخت عقرب سے ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی کیا کہا جاسکتا ہے، بہر حال "بچھو پر یدھ راج براجے" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یدھ راج تمہاری طرح پاگل تو نہ رہا ہوگا اور کسی بچھو پر بیٹھ جاتا اور اس نقارے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی نقارہ ہو جسے تمہارے بھوت تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اشعار کسی کتبے سے نقل کئے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی بہت ہی خوفناک ڈرامہ کھیلا جارہا تھا۔ اتفاقاً ہم لوگ بھی وہاں جا پہنچے اور شاید ان کی نادانستگی میں اس کا ایک آدھ منظر بھی دیکھ لیا۔ اس لئے اب وہ ہمیں الو بنانے کے لئے واقعات کو کوئی اور شکل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "میں فی الحال تمہارے خیال کی تردید نہیں کرسکتا لیکن پھر بھی یہ حالات اس قابل نہیں کہ ان میں دلچسپی لی جائے۔ کئی باتیں قابل غور ہیں۔ صولت مرزا چاہتا ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ جمیلہ چاہتی ہے کہ چلے جائیں۔ ارسلانوس تخت عقرب کو واہمہ قرار دیتا ہے، صولت مرزا اس کے وجود سے منکر نہیں اور آج شکیلہ کی کاپی میں مجھے یہ اشعار ملتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد حمید کے پچھے کا قیمہ ہو جاتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"پھر وہی بکواس۔" فریدی باتوں کی رو میں بولتا رہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ کھدائی والی بات کہاں تک سچ ہے اور آثار قدیمہ کے سرکاری محکمے کی طرف سے کھدائی ہوئی تھی یا کسی ہسٹوریکل

سوسائٹی کی طرف سے۔ میں نے ابھی تک صولت مرزا سے اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"قطعی فضول ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ان کھدائی کرنے والوں کا پتہ زندگی بھر نہ چل سکے گا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے تنگ آکر کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آخر آپ اتنی جلدی ہر بات پر ایمان کیوں لے آتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ آٹھواں الو ہمیں نواں اور دسواں الو بنانے کے چکر میں ہے۔"

"اف.... فوہ.... تم سے نپٹنا آسان کام نہیں۔ اثبات یا نفی کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہو تو بتاؤ۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس بات پر یقین کر لیا جائے یا نہ کیا جائے۔ چلو ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ شکیلہ کا بیان قطعی درست ہے۔ اب اس مفروضے کو یقین میں بدلنے کے لئے جو جدوجہد کرنی پڑے گی اس سلسلے میں ہمیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے اس کے علاوہ اگر سچ اور جھوٹ پرکھنے کی کوئی اور آسان تدبیر تمہارے ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ اگر اس پر عمل نہ کروں تو جو گدھے کا حشر وہ تمہارا۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس کا پیچھا ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔"

"نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو تمہاری شادی جمیلہ کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔"

"چھوڑیے جی! میں آج کل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک عورت سے بُری طرح خائف ہو۔"

"میں اسے عورت سمجھتا ہی نہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ عورت ہے تو میں اب زندگی بھر عورت کا نام نہیں لوں گا۔"

"لیکن اس عورت سے ایک بہت ہی اہم کام لیا جا سکتا ہے۔"

"کیا....!"

"وہی جو دوسرے لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہی جنہیں تم بھوت کہتے ہو۔"

"بس بس اب مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس بار آپ کو بھوتوں کا قائل ہی ہونا پڑے گا۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ اس کے چکر میں نہ پڑیے۔ یہ پورا قصبہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی مجھے تو اب پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ دھوپ ہے کہ دوزخ کی آنچ اور یدھ راج گڑھی کا راستہ شیطان کی آنت۔"

"ٹھہرو.... وہ سامنے کنواں دکھائی دے رہا ہے اور کچھ لوگ پانی بھر رہے ہیں۔"

وہ دونوں لمبے لمبے ڈگ بڑھاتے ہوئے کنوئیں کے قریب آئے۔ یہاں انہوں نے پانی پیا اور پھر چل پڑے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے دونوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ یدھ راج گڑھی کے منارے تو دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ابھی دور تھی۔ چلتے چلتے حمید بولا۔

"چلئے اگر میں اسے مان بھی لوں کہ وہ بھوت مصنوعی تھے یعنی وہ بھوتوں کا بہروپ تھا تو یہ آپ اس کتے کی آواز کو کس طرح جھٹلایئے گا اس کے لئے کون سا خبطی جواز پیش کیجئے گا۔ کونسی تجرباتی مثال آپ کے آڑے آئے گی۔"

"بھئی اسے میں خود ابھی تک نہیں سمجھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس سلسلے میں کسی ماورائی قوت کا وجود تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"ٹھیک ہے.... بعض لوگ اپنی عقل کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"بیٹے اس وقت تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ لیکن اسے یاد رکھو کہ تمہیں بعد کو شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور بیزاری کے اثرات بکھرے رہے۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اگر اس رات کو تمہیں یدھ راج گڑھی میں ایک بار بھی ہوش آیا ہوتا تو شاید تم مر ہی جاتے اور اگر نہ بھی مرتے تو کم از کم اپنا مذہب تو ضرور ہی بدل ڈالتے۔"

"کیا مطلب....!"

"خدا پرستی کے بجائے بھوت پرستی کے قائل ہوجاتے۔"

"یعنی.....؟"

"یعنی کہ میں ابھی کچھ اور نہیں بتانا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور رک کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دیوانی کی باتیں

تھوڑی دیر بعد وہ بیدھ راج گڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ کہیں عمارتوں کے آثار اب بھی باقی تھے۔ منارے تو قریب قریب اب تک محفوظ تھے۔ سب سے پہلے وہ اس منارے کے قریب پہنچے جس پر انہوں نے کتے کی آواز سنی تھی، حمید کانپ کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک فریدی نیچے سے اوپر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس دروازے کے قریب آیا جسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اسے کھلوانے کے لئے آثار قدیمہ سے اجازت لینی پڑے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ تو اب اس فتنے کو باہر نکالنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ جانے تم کن کن زاویوں سے باتیں کرتے ہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "اگر وہ تمہارے خیال کے مطابق بھوت ہے تو کیا اسے اس قسم کی دیواریں قید کر سکیں گی۔"

"چلئے..... پیچھا چھوڑیئے۔" اس نے یہ بات سوچ سمجھ کر نہیں کہی تھی۔

وہ کافی دیر تک گڑھی کے چکر لگاتے رہے، حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے ایک باؤلی کی تلاش ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ وہ تو صولت مرزا کے گھر میں موجود ہے۔"

"پھر وہی حرکت.....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آخر باؤلی کیوں؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا "آپ کئی بار کسی باؤلی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر مل جاتی تو اچھا تھا۔ قدیم عمارتوں میں ایک آدھ باؤلی ضرور نظر آتی ہے۔"

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں تو..... قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر جھک مارنے کے بعد وہ لوٹنے لگے۔ دفعتاً فریدی اینٹوں کے ایک ڈھیر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے اور جب اس کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں ایک فاؤنٹین پن دیکھا۔

"پارکر ففٹی ون ہے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ "غالباً یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم گرے تھے، لیکن فاؤنٹین پن! کہیں یہ ہمارے ساتھیوں میں سے تو کسی کا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تو کسی کے پاس بھی پارکر ففٹی ون نہیں تھا۔"

"پھر یہ کس کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک بار پھر اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ کافی دیر تک جھکا دیکھتا رہا۔ پھر ایک اینٹ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ جیب سے محدب شیشہ نکال کر اس نے اینٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"نشانات تو ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہاں اس مٹی کے دھبے پر، جواب خشک ہو چکا ہے۔" حمید اس کے قریب آ گیا۔ فریدی سر اٹھا کر پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے ہوں۔"

"ہوگا صاحب! اسے پھینکئے اور چل دیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "نہ جانے آپ کس چکر میں ہیں۔"

"اب شاید بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "دیوار گرنے کے بعد سے صولت مرزا کی حویلی میں پہنچنے تک ہم اسی میں نہیں دبے پڑے رہے تھے۔"

"پھر.....!" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک باؤلی میں پایا تھا اور تم بھی میرے ہی قریب پڑے ہوئے تھے۔"

"میں.....!" حمید اچھل کر بولا۔ "لیکن مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم بے ہوش تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ آخیر تک بیہوش ہی رہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ نہیں مطلب یہ کہ تمہارا ننھا سا دل اس تبدیلی پر دھڑکنے لگتا اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی نابالغ لڑکی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے بھی لگتے۔"

"آخر کیوں؟"

"فضول وقت مت برباد کرو۔ آؤ چلیں۔"

"اس اینٹ کو تو پھینکئے۔"

"نہیں۔ اپنا اطمینان کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ چلو بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ نشانات ہمارے ساتھیوں ہی میں سے کسی کے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا بولا۔

"آخر انہوں نے ہی ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہی تھا۔ اس وقت اینٹیں بھیگ رہی ہوں گی لہذا ان پر لگی ہوئی مٹی میں نشانات ضرور پڑے ہوں گے۔"

"لیکن ان سے پہلے بھی کسی نے ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہوگا۔ ورنہ ہم باؤلی میں کیوں کر پہنچے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ہمیں اس ڈھیر میں دفن کیا ہوگا۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر ذرا اسے دیکھو۔"

اس نے اپنا داہنا ہاتھ حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ نشانات کیسے ہو سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"خراش.....!"

"جناب.....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "یہ خراشیں ایک چمگادڑ کے پنجوں کی ہیں۔ جو مجھ پر اس باؤلی میں جھپٹی تھی۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔ جب یہاں کوئی باؤلی ہے ہی نہیں تو۔"

"ہے تو ضرور۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس شیطانی چکر میں نہ پڑیے۔"

"بکے جاؤ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو راہ راست پر لانا ناممکن ہے۔ ایک بار کوئی نظریہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ اب اس نے حمید کی الجھن میں اضافہ کر لینے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر باؤلی والی بات اس نے اسے اتنی دیر سے کیوں بتائی۔ وہاں بھی کوئی خاص قسم کا حادثہ پیش آیا تھا؟ بہر حال یہ بات معلوم ہونے پر حمید کے یقین کو اور زیادہ تقویت پہنچ گئی اور وہ اسے سچ مچ شیطانی کارخانہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح فریدی کو اس چکر سے نکال لے جائے اور خود بھی جان بچائے۔ اپنی جان تو خیر وہ بچا ہی سکتا تھا۔ اگر وہ واپس جانے پر اڑ جائے تو فریدی اسے باندھ کر تو رکھنے سے رہا۔ لیکن وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فریدی کو کسی خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں تھا۔ فریدی کی شخصیت اور کردار نے اسے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ وہ اس کے بے پناہ خلوص کا پجاری تھا۔ اس کی اس محبت پر جان دیتا تھا، جو صرف چھوٹے بھائی ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا جس سے ان کے جذباتی رشتے مجروح ہوتے۔

"لیکن ذرا یہ تو بتایئے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کہ آپ کی خودداری کہاں قیام کرے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں لوگ اس کے قیام کے خواہشمند نہ ہوں۔"

"اوہ....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو گویا تم اب تک جمیلہ کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"میں نے تو اپنی بڑی توہین محسوس کی ہے۔"

"مگر ہم تو صولت مرزا کے مہمان ہیں۔"

"چہ خوب.... گویا جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں.... لیکن پاگل ہے۔"

"مجھے تو یہاں سبھی پاگل دکھائی دیتے ہیں۔"

"اچھا تو تمہارا انتظام ارسلانوس کے یہاں کرادوں گا۔"

"بہتر ہوگا کہ آپ مجھے کسی ریچھ یا بھیڑیئے کے سپرد کردیجئے۔"

"ارے نہیں۔ بڑا پیارا آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنا اپنا ذوق ہے۔ بہر حال میں اس ڈارون کے پٹھے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

"اوہ ہو.... تو بے چارے ڈارون پر کیوں غصہ اتار رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ یہ ساری بیداری اس کی پھیلائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے غیر مرئی قوتوں پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔"

"بیٹے حمید صاحب یہ خیال اپنے ذہن سے نکال لو۔ ورنہ مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔"

"کاش نفرت ہی ہو جاتی۔"

"اچھا ذرا تیز چلو۔" فریدی نے اسے پھر دھکا دیا۔

"چل تو رہا ہوں۔ اب کیا سر کے بل چلوں۔"

تین بجتے بجتے وہ لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ صولت مرزا کو اطلاع ہی دے کر گئے تھے۔ صولت مرزا کافی دیر تک بزرگانہ انداز میں فریدی کو برا بھلا کہتا رہا۔ حمید اندر ہی نہیں گیا۔ اس نے فریدی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی چائے اس کے کمرے میں بھجوا دے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس گھر میں مزید قیام کرنے کے خیال ہی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر کر اسے سلگاتا ہوا ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ راستے کی تھکن پچھلی رات کی بیداری ایک بوجھ کی طرح اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے تین چار گہرے گہرے کش لینے کے بعد جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ دی اور پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

ابھی اچھی طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید منہ سکوڑتا ہوا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ کوئی تک ہے ابھی سے چائے بھی آ گئی ان لوگوں کو سوا

کھانے پینے کے کچھ اور بھی آتا ہے۔ کیا مصیبت ہے.... ارے باپ؟

دروازہ کھولتے ہی وہ بے اختیار اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے میں جمیلہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"جی ہاں....!" حمید بوکھلا کر بولا "مم.... میں سامان ہی.... بب.... باندھ رہا تھا۔"

جمیلہ اندر چلی گئی اور حمید کے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔

"وہ دیکھئے نا....!" وہ پھر بولا۔ "یہ بکس ہے نا.... ذرا اس کی کنڈی کچھ سخت ہو گئی ہے۔ ارے.... ہولڈال کہاں ہے۔ بستر بندھ گیا۔ بالکل بندھ گیا۔"

جمیلہ آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ اتنے مضحکہ خیز کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔" جمیلہ پرسکون لہجے میں بولی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ سچ مچ خواہ مخواہ الو ہوا جا رہا ہے۔ اس سے یہ حرکت قطعی غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی۔ لہٰذا اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن اس کا نچلا ہونٹ ابھی تک خود بخود پھڑکے جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔" جمیلہ آہستہ سے بولی۔ "میں غصے میں تھی۔"

"اوہ کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔"

"لیکن میں کیوں غصے میں تھی؟" جمیلہ نے سوال کیا اور حمید پھر بوکھلا گیا۔ اس نے یہ سوال محض باتوں کی رو میں کیا تھا۔ ورنہ جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھتی نہ رہتی۔

"غالباً آپ کو فریدی صاحب پر غصہ آیا ہوگا۔" حمید نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"بھلا ان پر کیوں آتا۔"

اس دوسرے سوال پر حمید جھنجھلا گیا۔ اس دوران میں اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا اور اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی وہ ساری صلاحیتیں بھی جاگ اٹھی تھیں جو عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

"شاید آپ کو ان کی بے ڈھنگی چال پر غصہ آیا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"تو گویا میں اب تک ان کی چال دیکھتی رہی ہوں۔" جمیلہ نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

"آپ غلط سمجھیں۔ یہ بات نہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بے ہنگم چیزوں پر خود بخود نظر پڑ جاتی ہے۔"

جمیلہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور حمید گھبرا گھبرا کر اس کی نظروں کا تعاقب کر رہا تھا کہ کہیں دیوار سے کوئی بھیانک چیز نہ نکل پڑے۔

"بہر حال میں غصے میں تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "غصے میں آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ مثلاً میں ہی غصے کی حالت میں بڑی بے تکی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ اگر غصے میں کسی کو گدھا کہنا ہوگا تو ٹماٹر یا چقندر کہہ جاؤں گا۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال حمید کی عاقبت روشن کرنے کے لئے یہی کافی تھا۔ وہ اچھی طرح چہکنے کے موڈ میں آ گیا۔

"اب ایک بار کا لطیفہ سنئے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ایک نوکر پر ایک دن بڑا تاؤ آیا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ سور کے بچے جہنم میں جاؤ۔ لیکن بوکھلاہٹ میں کہہ گیا جہنم کے بچے سور میں جاؤ۔ لہٰذا وہ مرعوب ہونے کے بجائے سر پیٹ کر ہنسنے لگا۔"

جمیلہ پھر مسکرائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچانک اس طرح سنجیدہ ہو گئی جیسے حمید نے اسے گالی دی ہو۔

"میں یہاں آپ سے فلرٹ کرنے نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں حمید نے ناقابل برداشت قسم کی تلخی محسوس کی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اس کے دوسرے جملے کا منتظر تھا اور خود جمیلہ کے انداز کی تشنگی یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس ایک جملے پر اکتفا نہ کرے گی۔ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتی تھی لیکن چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"میں آپ سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ یقین رکھیں کہ وہ صرف مجھ تک ہی محدود رہیں گی۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ والد صاحب نے تم لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کیا ہے۔"

"سازش.....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں سازش.....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "بہت دنوں سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب

ضبط کی سرحدوں سے باہر ہو چکی ہوں۔ والد صاحب نے شاید تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔"

"بدنام کر رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھولے مت بنو۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہا اور وہ بولتی رہی۔

"والد صاحب اس لئے مجھے بدنام کر رہے ہیں کہ میری شادی نہ ہو سکے۔ اگر شادی ہو گئی تو وہ تین لاکھ کی رقم ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو نانا جان مرحوم خاص طور پر میرے نام سے بنک میں جمع کرا گئے ہیں۔"

"اوہ.....!"

"پھر تم نے ایکٹنگ شروع کی۔" جمیلہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مجھے کسی طرح اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ تم دونوں اس سازش میں شریک نہیں ہو۔"

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فی الحال اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔

"میں ایکٹنگ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ ابھی تک فریدی صاحب نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

جمیلہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر آہستہ سے گلوگیر آواز میں بولی۔

"میری زندگی برباد کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا۔ والد صاحب کو سمجھا دو کہ مجھے وہ تین لاکھ روپے نہیں چاہئیں لیکن میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم نے کبھی اور بھی کسی ایسی بیماری کا نام سنا تھا جیسی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا تم نے بھی مجھے کسی رات کو دورے کی حالت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید نے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر وہ سیاہی میری میز پر کس طرح گری تھی؟" جمیلہ نے حمید کو گھور کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں..... میں نے فریدی صاحب کی زبانی سنا تھا۔"

"آخر انہیں ان باتوں سے کیا مل جائے گا۔ میں نے سنا تھا کہ وہ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر آخر میرے لئے کیوں اتنے سنگدل بن گئے ہیں۔"

"میں انہیں سمجھادوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

نہ جانے کیوں اسے اس سے کچھ کچھ ہمدردی سی ہو چلی تھی۔ لیکن وہ ان معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ وہ خود اسے دو بار دورے کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔

"میں نے سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا؟" جمیلہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اب جو کچھ آپ کا ضمیر گوارا کرے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔" حمید بھی مودبانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

جمیلہ چلی گئی اور وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ باپ کچھ بیٹی کچھ۔ دوسری بیٹی دماغ خراب کرنے کے لئے مہمل اشعار بانٹتی ہے اس نے پچھلی رات کو وہ منظر بھی دیکھا تھا جب بیٹی نے باپ کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا اور وہ سب کیا تھا۔

وہ بے صبری سے فریدی کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ نہ آیا۔ اس دوران میں چائے بھی آئی لیکن نہ تو صولت مرزا دکھائی دیا اور نہ فریدی.... برآمدے میں ایک آدھ بار شکیلہ پر ضرور نظر پڑی۔ لیکن اس نے حمید کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا الجھتا رہا۔ پھر برآمدے میں نکل آیا۔

رات ہوئی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حمید نے صولت مرزا سے پوچھا۔ لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ آخر حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ حالانکہ جمیلہ سے اس کی گفتگو ہو چکی تھی۔ لیکن وہ رات کے تصور ہی سے لرز رہا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے اور انتہائی گرمی کے باوجود بھی بند کمرے میں سو گیا۔

کتبے کا سراغ

دوسرے دن فریدی ناشتے کی میز پر صولت مرزا سے کہہ رہا تھا۔

"آج ہم لوگ واپس جارہے ہیں۔"

ناشتے پر اس وقت یہی تینوں تھے۔ حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ابھی تک اس سے یہی نہیں پوچھا تھا کہ وہ پچھلی رات کو کہاں رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ اور.... صولت مرزا ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ وہ بھی آ گیا تھا اور قبل اس کے کہ اس سے رات کی غیر حاضری کا سبب پوچھا جاتا اس نے آج کی روانگی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تو کیا تم ہمیں اس مصیبت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آپ ہی کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ فی الحال یہاں رہ کر میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا۔" فریدی نے چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

صولت مرزا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"رات کہاں رہ گئے تھے۔"

"تھانے کے انچارج نے روک لیا تھا۔ لہٰذا رات اس کے ساتھ بسر کرنی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا۔"

"اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔" صولت مرزا نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"تو کس ٹرین سے جاؤ گے۔"

"تین بجے والی سے۔"

اس گفتگو کے علاوہ بقیہ وقت میں خاموشی ہی رہی۔

ناشتے کے بعد فریدی اور حمید عقبی پارک میں آبیٹھے۔

"اب بتایئے کہ آپ رات کہاں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسی پارک میں۔"

"یہاں....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں....!"

"پھر....!"

"نہ تو رات اس پر دورہ ہی پڑا اور نہ وہ بھوت دکھائی دیے۔"

"کل رات دورہ نہیں پڑا.....؟" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"آخر کل کیوں نہیں پڑا۔"

"نہ پڑا ہو گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر آپ کیا کرتے رہے۔"

"بھوتوں کا انتظار۔"

"واقعی آپ دیوانگی کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"جانتے ہو وہ فونٹین پن کس کا تھا۔"

"یہی جانتا ہوتا تو لوگ ولی اللہ نہ کہتے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ لیکن فریدی نے اس کے لہجے پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ فونٹین پن جمیلہ کا تھا۔"

"ارے.....!" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "کس سے معلوم ہوا۔"

"صولت مرزا سے۔"

"پھر اس نے آپ سے یہ بھی پوچھا ہو گا کہ وہ آپ کو ملا کہاں سے۔"

"یقیناً۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"ظاہر ہے کہ میں نے اسے حقیقت نہ بتائی ہو گی۔"

"آپ یک بیک شہر کے لئے کیوں تیار ہو گئے۔"

"اس کتبے کے چکر میں ہوں جس پر سے وہ اشعار نقل کئے گئے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں آپ کو اتنا ناسمجھ نہیں سمجھتا تھا۔"

"خیریت..... خیریت۔" فریدی مسکرایا۔ "تم عقلمند کب سے ہو گئے۔"

"میں کسی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"پیرومرشد اس راز سے ذرا اس ہیچ مقدار کو بھی آگاہ فرما کر رونے کا موقع دیجئے۔"

حمید نے فلسفیانہ انداز میں الو کی طرح اپنے دیدے پھرائے اور جمیلہ کی گفتگو بیان کر چلا اور پھر جب اس نے اس موقع پر یہ تصور کرتے ہوئے کہ فریدی کی آنکھیں چمکنے لگی ہوں گی اس کی طرف دیکھا تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ فریدی کے چہرے سے کچھ ایسی بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی جیسے وہ اب تک کسی ضدی بچے کی "ریں ریں اور ٹیں ٹیں" سنتا رہا ہو۔

"پھر کیا ہوا۔" حمید کے خاموش ہوتے ہی اس نے لاپروائی سے پوچھا۔

"میرا سر.....!" حمید جھنا کر بولا۔

"پھٹا تو نہیں۔" فریدی نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ مجھے الو سمجھتے ہیں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"نہیں الو سے بھی اونچی چیز۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر تم اس دیوانی لڑکی اور اس کی باتوں کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔"

"معلوم نہیں آپ کس چکر میں ہیں اور کیا سوچتے ہیں۔"

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی۔ حتی کہ اسے اپنے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم۔"

"یہ کتنے عرصے کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اخا! اب آپ بھی طنز فرمانے لگے..... صاحبزادے ہو۔"

"شکریہ! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حرام زادہ ہوں۔"

"خیر فضول باتیں چھوڑو..... ہمیں چلنے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر اس کمرے میں چلے آئے جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ حمید منتشر شدہ چیزیں اکٹھا کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گنگناتا بھی جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وقتی ہی طور پر سہی اس بھوت خانے سے نجات تو مل رہی ہے۔

"تو آپ اس کتبے کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

فریدی آرام کرسی پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ حمید کے مخاطب کرنے پر اٹھ بیٹھا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے۔"

حمید نے اپنا سوال دہرایا۔

"اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے انگڑائی لے کر کہا۔ "صولت مرزا سے معلوم ہوا ہے کہ کھدائی کرنے والے یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز برآمد ہوئی تھی تو وہ یونیورسٹی کے میوزیم میں ضرور موجود ہوگی۔"

"تو یقین کیجئے کہ وہ کتبہ موجود نہ ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....!"

"ارے صاحب یہ سب مل کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی کسی بات پر یقین نہیں آیا۔"

"ایسی بے یقینی بھی ٹھیک نہیں۔ خصوصاً ایک سراغ رساں کے لئے۔"

"سراغ رساں.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "چھٹیوں میں، میں خود کو قطعی سراغ رساں نہیں سمجھتا۔ یہ سعادت تو کچھ آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

"لیکن یہ تو بتایئے۔" حمید پھر بولا۔ "وہ کتبہ شکیلہ کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔"

"کھدائی کرنے والوں نے صولت مرزا ہی کے گھر قیام کیا تھا۔"

"اوہ تو..... بہر حال صولت مرزا وغیرہ نے آپ کو اچھی طرح جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا سنو.....!" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اب ہم ان معاملات کے متعلق قطعی کوئی بات نہ کریں گے۔"

حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

اس کیس میں کچھ اس قسم کے الجھاوے پیدا ہو گئے تھے کہ حمید نے اس کی طرف سے اپنے ذہن کو بے تعلق کر لینے ہی میں بھلائی دیکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صولت مرزا وغیرہ انہیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن فریدی اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حالانکہ فی الحال اس کے پاس اپنے نظریئے کی پختگی کے ثبوت میں کافی دلائل نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا ان لوگوں کو اپنا آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر جمیلہ ان واقعات سے بے تعلق ہے تو پھر اس ڈ فاؤنٹین پن یدھ راج

گڑھی میں کس طرح پہنچا اور پھر خلاف معمول پچھلی رات کو اس پر دورہ کیوں نہیں پڑا۔ وہ ارسلانوس کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ محض اس لئے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تحت عقرب یدھ راج گڑھی میں موجود نہیں ہے تو کیا ان سب شیطانی حرکتوں میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو کیونکہ اس کے اور صولت مرزا کے تعلقات اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دونوں ملتے ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان میں کوئی ناخوشگوار سا جذبہ حائل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ارسلانوس نے اس کی برائیاں بھی تو بیان کی تھیں اور جمیلہ کی حرکات کو محض ڈھونگ قرار دیا تھا تاکہ گھر والوں پر اس کا رعب قائم رہے۔ اس کے برخلاف جمیلہ اس بات کی شاکی ہے کہ اس کے گھر والے اسے بدنام کر کے شادی سے روکنا چاہتے ہیں۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو ان واقعات کی طرف سے ہٹالے۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ یدھ راج نگر سے روانگی کے وقت اس کا دماغ بُری طرح پک رہا تھا اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اس کے برخلاف فریدی بالکل ہی سیدھے سادھے موڈ میں تھا.... روانگی سے قبل اس نے صولت مرزا سے الوداعی ملاقات اس طرح کی جیسے وہ اب تک ان کے یہاں محض سیر و تفریح کرتا اور دعوتیں اڑاتا رہا ہو۔ حمید نے اس وقت ایک بات اور بھی محسوس کی کہ جمیلہ خلاف عادت بہت زیادہ بشاش نظر آ رہی تھی اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر وہی آثار تھے، جو کسی مہمان کو رخصت کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً صولت مرزا بہت زیادہ پریشان اور اداس معلوم ہو رہا تھا۔

جمیلہ انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے کے لئے آئی۔ صولت مرزا بھی آ رہا تھا لیکن فریدی نے روک دیا۔

گاڑی پندرہ منٹ لیٹ تھی حمید کو اس وقت سخت حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی نے جمیلہ سے سوائے چند رسمی باتوں کے اور کوئی بات نہ کی۔ آخر کیوں؟ حمید کا خیال تھا کہ جمیلہ اس ڈرامے کی خاص کردار ہے لیکن فریدی اسے بُری طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اسے تنہا پاتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اس دوران میں فریدی کسی کام سے ان کے پاس سے ہٹ گیا اور جمیلہ حمید سے بولی۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ نے ان باتوں کا تذکرہ والد صاحب سے تو نہیں کیا۔"

"نہیں نہیں..... میں اتنا نا سمجھ تو نہیں ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"شکریہ..... " وہ آہستہ سے بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔ "میں ایک بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کبھی کبھی میرا دل مجھے بغاوت پر ابھارتا ہے۔ لیکن پھر افسوس ہوتا ہے۔ میں ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل جاتی ہیں جو مجھے نہ کہنی چاہئیں۔"

"ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"آپ نے فریدی صاحب سے اس کا تذکرہ ضرور ہی کیا ہوگا۔" جمیلہ نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ورنہ پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ میں نے بس کسی طرح انہیں واپس چلنے پر راضی کر لیا۔"

جمیلہ نے سر جھکا لیا اور پھر جب اس نے نظریں اٹھائیں تو حمید نے اس کے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھے۔ سارا تیکھاپن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بجائے اس کے چہرے پر ایک غم آلود نرماہٹ پھیل گئی تھی اور آنکھیں کسی گہری سوچ اور پر سکون جھیل کی طرح حسین اور طمانیت بخش نظر آنے لگی تھیں۔ پھر حمید دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اس سے خائف تھا۔ اسے وہ پُر اسرار بھوت بھی نہ یاد رہ گئے۔ اس نے اس تھپڑ کو بھی فراموش کر دیا جسے ایک بیٹی نے اپنے باپ کے منہ پر رسید کیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جمیلہ غیر معمولی حسن کی مالک ہے۔ کسی بڑے آرٹسٹ کا ایک اچھوتا خیال۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی اور فریدی کو اس کتبے کے متعلق چھان بین ملتوی کر دینی پڑی۔

حمید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے زیادہ دیر تک نہ جاگ سکا۔ لیکن رات میں جب بھی اس کی آنکھیں کھلیں اس نے فریدی کی لائبریری میں روشنی دیکھی۔

دوسرے دن صبح اسے نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی رات بھر لائبریری ہی میں رہا اور اس وقت وہ ایک آرام کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ حمید نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سونے کا تہیہ کر چکا ہے اتنی ہی دیر سوئے گا۔ اس نے نہ جانے کس طرح یہ عادت ڈال لی

تھی۔ یہ چیز کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ اچھے اچھے بااصول قسم کے لوگ بھی نیند پر قابو نہیں پاتے۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ جتنی دیر بعد جاگنے کا تہیہ کر لیتا اس سے ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہ ہوتا۔ وہ اکثر حمید سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کی قوت ارادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قوت ارادی کی تربیت انسان کو کسی چیز کی پابند نہیں بنا سکتی۔ خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اور حمید کو سچ مچ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نہیں سینکڑوں بار فریدی کو موت کے منہ سے بچ نکلتے دیکھا تھا۔

آٹھ بجے فریدی سو کر اٹھا لیکن وہ بہت خاموش تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ناشتے کے دوران میں اس نے بہت کم گفتگو کی۔ وہ بھی اس کیس یا زیر تفتیش کیسے کے متعلق نہیں تھی۔

دس بجے وہ دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی دیر تک دفتر میں بیٹھا۔ اس نے صرف حاضری بتائی۔ دو ایک کاغذات دیکھے اور پھر اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ حمید نے شام چار بجے تک اس کا انتظار کیا۔ لیکن وہ جب واپس نہ آیا تو مجبوراً اسے ٹیکسی ہی پر گھر واپس ہونا پڑا کیونکہ فریدی اپنی کار ساتھ لے گیا تھا۔

وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ حمید غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ برابر کے کمرے میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا۔ فریدی کا مخاطب ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھر کم آدمی تھا جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور نچلا جبڑا اتنا بھاری تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ نہ جانے ان میں کیا بات تھی کہ حمید کو ہاتھی کی آنکھیں یاد آ گئیں۔ سفید قمیض اور پتلون میں وہ بڑا بارعب معلوم ہو رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کی ٹھوڑی کچھ اس انداز سے ہل رہی تھی کہ حمید کا ذہن ایک ایسے بھیڑیئے کے تصور سے خالی نہ رہ سکا جو اپنے شکار کی بوٹیاں نوچ رہا ہو۔ فریدی اسے ساتھ لے کر اپنے عجائبات کے کمرے میں چلا گیا۔

حمید متحیر تھا کہ وہ کون ہے۔ اس نے اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین تھا کہ اس نے اسے فریدی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فریدی اس نووارد کو بعض قدیم اور تاریخی چیزیں دکھا دکھا کر ان پر

تبصرہ کر رہا تھا۔

حمید نے دیکھا کہ نووارد بھی کبھی کبھی اظہار خیال کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اسے خاص طور پر قدیم کتبوں اور مخطوطات کے نمونے دکھا رہا ہے۔

"میں ان چیزوں پر عاشق ہوں۔" فریدی نے اسے کہا۔ "اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی پرانا کتبہ دکھائی دیتا ہے اسے خرید لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہوں۔"

"اچھا شوق ہے۔" نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ "خیر میری تو عمر ہی اس دشت کی سیاحی میں گزری ہے لیکن اتنے نمونے خود میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"خیر بہر حال۔" فریدی اسے سگار پیش کرتا ہوا بولا۔ "مجھے امید ہے کہ ایک مشترک شوق رکھنے کی بناء پر ایک دوسرے سے آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔"

"ضرور ضرور.....!" نووارد مسکرا کر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ اسلئے حمید سامنے سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی اسے رخصت کرنے کے لئے پھاٹک تک آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کے سامنے نہیں آئے۔"

"کیوں.....؟ وہ کون تھا۔"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا صدر ڈاکٹر بھٹناگر۔"

"تو آپ اسی کتبے کے چکر میں ہیں۔"

"ہاں ایدھ گڑھی کی کھدائی اسی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔"

"وہ کتبہ.....!"

"یونیورسٹی کے میوزیم میں موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کا کہنا ہے کہ اس قسم کا کوئی کتبہ برآمد نہیں ہوا۔"

"وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا....." حمید مسکرا کر بولا۔

"تم غلط جانتے تھے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کھانا مے پول میں کھائیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔" حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کوئی خاص بات ہی ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

"دوڑ دھوپ نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "یہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ ایک آدھ راؤنڈ رمبا کے بھی ہوں گے۔"

"چلو چلو.....!" فریدی بیزاری سے بولا۔

حمید ایک فلمی گیت گاتا ہوا دوسرے کمرے میں جانے لگا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا۔

حمید رک گیا۔

"آئندہ اس قسم کے گیت نہیں گاؤ گے۔"

"خدا کی قسم آپ نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"بکو مت..... جاؤ.....!"

بُرے پھنسے

مے پول ہوٹل میں خاصی رونق تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ڈرائنگ ہال میں بھی بال روم کی موسیقی سنائی دے رہی تھی لیکن ابھی شاید رقص نہیں شروع ہوا تھا۔

حمید نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں دانت کنکنائے اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کاؤنٹر پر آج کوئی دوسری کلرک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے یہاں نہیں دیکھا تھا۔

"یہ کوئی نئی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید چل تو رہا تھا اس کے پیچھے..... لیکن ذہن بال روم کی موسیقی میں الجھا ہوا تھا۔

فریدی نے ایک کیبن کا پردہ ہٹایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ پردہ بدستور ہٹا ہوا تھا۔ فریدی کے چونکنے پر حمید نے بھی اندر کی طرف دیکھا۔ داہنے کنارے پر رکھی ہوئی کرسی پر ایک آدمی بیٹھا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ ذرا سے کھل گئے تھے۔

"آپ کی تعریف.....!" حمید نے تمسخرانہ انداز میں فریدی سے پوچھا۔

فریدی پرخیال انداز میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار محسوس کیے۔

"کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے اور بولنے لگا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... کون.... جگدیش کو بلاؤ۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"جگدیش! میں فریدی بول رہا ہوں۔ مے پول ہوٹل کے کیبن نمبر چودہ میں ایک لاش ملی ہے.... فوراً آؤ۔"

لاش کا نام سن کر قریب بیٹھی ہوئی لڑکی اچھل پڑی۔

"چپ چپ! غل مت مچانا۔" فریدی نے اس سے آہستہ کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

کلرک بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کیبن نمبر چودہ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"جب تک پولیس نہ آجائے تم یہاں کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" فریدی نے اس سے کہا اور پھر کیبن کے قریب لوٹ آیا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"لاش....!"

"کہاں لاش....!"

"آہستہ بولو! اندر۔" اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے.... تو.... تو....!"

"شامت..... میں جارہا ہوں۔"

"ٹھہرو..... اس کی موت غیر متوقع ضرور ہے لیکن وہ خود.....!"

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"!

"ہاں..... وہ اس کتبے سے واقف تھا۔"

"ارے..... تو..... اس کا یہ مطلب.....!"

"ہاں میں اسی سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"کس طرح..... کیسے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ جگدیش وغیرہ شاید اب آ ہی رہے ہوں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" حمید جھنجھلایا۔ "جہاں کسی معاملے میں ہاتھ دیا..... کشت و خون شروع ہو گیا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر کیبن کے اندر چلا گیا۔ حمید باہر ہی ٹھہرا رہا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد پولیس کی لاری مے پول ہوٹل کے سامنے رکی۔ انسپکٹر جگدیش دو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخوشگوار قسم کے تاثرات پائے جا رہے تھے۔ شاید وہ اس حادثے کی غیر متوقع اطلاع پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو کیبن نمبر چودہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمید نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

"کہئے؟ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"اوپر منیجر کے کمرے میں۔" حمید نے کہا اور پھر کیبن کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ترقی کا ایک اور موقع۔"

"چھوڑیئے بھی! میں تو اب عاجز آ گیا ہوں۔" جگدیش نے منہ بنا کر کہا اور پردہ اٹھا کر کیبن کے اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کا منیجر اور فریدی بھی پہنچ گئے۔ حمید کی ڈیوٹی کانسٹیبلوں نے سنبھال لی اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

مرنے والا ابھی تک اسی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے مرنے سے قبل اسے کسی گہرے تحیر میں ڈوبنا پڑا ہو اور اسی

حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی ہو۔

"غالباً آپ اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں گے۔" فریدی نے تجیر سے کہا جو بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر باہر چلا گیا۔

"میں یہاں کھانا کھانے کی غرض سے آیا تھا۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "اتفاقاً ہی کیبن کی طرف گھوم پڑا۔"

"لیکن یہ مرا کیسے۔" جگدیش نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"بھئی میں اس کے ساتھ تو تھا نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ بات پوسٹ مارٹم کے ذریعہ معلوم ہی ہو جائے گی۔"

"تو میں یہاں اس کے متعلق تفتیش شروع کر دوں اور رپورٹ میں یہ لکھ دوں کہ لاش کی اطلاع مجھے آپ سے ملی تھی۔"

"ضرور..... ضرور.....!"

جگدیش کی ہچکچاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے باہر نکل آیا۔

"کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ قتل ہے یا خودکشی۔" حمید نے کہا۔ "فطری موت..... یا قیوم نظرم شاعری قسم کی کوئی ناقابل فہم حرکت..... آخر اسے کیا سمجھا جائے۔"

"قتل.....!"

"لیکن قتل کا طریقہ سمجھ نہ آیا۔" حمید نے کہا۔ "اور شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اتنے پراسرار قتل میں کوئی دلچسپی نہ لی۔"

"طریقہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور قتل کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مرنے والے کا صورت آشنا بھی پہلے ہی سے تھا۔"

"اور پھر بھی آپ اسے اتنی لاپروائی سے ٹال گئے۔ آخر وہ تھا کون؟"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا ایک لیکچرار..... آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی پارٹی کا ایک رکن۔"

"قتل کی وجہ کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہ مجھے اس کتبے کے متعلق اہم بات بتانے والا تھا۔"

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور پھر وہ اس میں بیٹھ کر آر لکچو کی طرف روانہ ہوگئے۔

"لیکن آپ نے جگدیش سے یہ باتیں کیوں چھپائیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال قاتل ہر وقت ہماری مٹھی میں ہے۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔ "آپ قاتل سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی....!"

"تو اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"وہ دوسرا آدمی آپ کو کہاں مل گیا تھا۔"

"وہیں یونیورسٹی کے تواریخی عجائب خانے میں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "وہ اس وقت وہیں موجود تھا جب میں ڈاکٹر بھٹناگر سے اس کتبے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔

"پھر....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو اپنے شوق کے متعلق بتایا اور اسے دعوت دی کہ وہ کسی دن میرے جمع کیے ہوئے نمونے بھی دیکھے اور وہ اسی وقت اس کے لئے تیار ہو گیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ "جب ہم دونوں باہر آرہے تھے مرنے والے نے پیچھے سے ایک چھوٹا سا پرچہ مجھے تھما دیا۔"

"اور اسی پرچے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آپ اس سے مے پول ہوٹل میں ملیں۔" حمید نے کہا۔

"اف فوہ... یار سچ مچ تم بڑے ذہین ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"کیا آپ اس وقت یہ نہیں سمجھے تھے کہ بھٹناگر کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہے۔"

"حقیقتاً میں دھوکا کھا گیا۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتبے کے راز سے ڈاکٹر بھٹناگر کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی

واقف ہیں۔"

"یقیناً.....!" فریدی نے کہا۔ "شاید تم اس بات سے نہیں واقف کہ آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی اس پارٹی کا واحد مشغلہ دفینوں کی تلاش ہے۔ آثار قدیمہ کی چھان بین تو محض ایک بہانہ ہے۔"

"اوہ! لیکن آپ کی یہ ساری معلومات نئی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے! پہلے محض شبہ تھا لیکن اب یقین ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی پر ہاتھ ٹیک کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے یہ ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔" دفعتاً وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ حمید بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ دراصل باتوں میں اس درجہ محو ہو گئے تھے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں رہا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے اور ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز چمکی اور وہ ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پہلے وہ دونوں اسے کلینر سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کی پوشش کچھ اس قسم کی تھی۔ اب انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، جو حد درجہ خوفناک تھا اور چمکیلی آنکھوں سے سفاکی ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

ٹیکسی شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر کھڑی کر دی گئی۔

"باہر آؤ.....!" ریوالور والا گرج کر بولا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

دونوں چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" ریوالور والے نے ڈرائیور سے کہا اور فریدی اور حمید نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اتفاق سے اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے پاس ریوالور نہیں تھا۔

"کوئی خطرناک چیز.....!" ریوالور والے نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان کی جامہ تلاشی لے کر الگ ہٹ گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"چلو بیٹھو......!" اس نے ریوالور کی نال سے ٹیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آرلیکچو ہوٹل......؟" فریدی ٹیکسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

ریوالور والے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ٹیکسی پھر چل پڑی۔

"میں کہتا ہوں.... آرلیکچو ہوٹل! کیا تم بہرے ہو گئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ریوالور والے نے آہستہ سے کہا۔

"چپ چاپ ہیں پیارے بھائی۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "بھوک کے مارے آواز ہی نہیں نکل رہی ہے ورنہ اس وقت تمہیں شیام کلیان سناتا۔ معرکے کی چیز ہے۔"

"ڈرائیور....." فریدی چیخا۔

"جانے بھی دیجئے۔" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر بے چارے کے کان کے پردے پھٹ گئے تو اس کے بال بچوں کے حلق پھٹ جائیں گے۔"

"تم ہو کون۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے یہ سب کس لئے کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ریوالور والا مسکرا کر بولا۔ "جتنی بہادری چاہو دکھالو..... پھر موقع نہ ملے گا۔"

"کیا سمجھے۔" حمید نے فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھائی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہو گا۔"

"ضرور ضرور.....!" ریوالور والا مسکرا کر بولا اور پھر ریوالور کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "اس غذا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"بہت کم لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے چیز شاندار ہے..... ذرا اوپنا تو۔"

"پیچھے ہٹو.....!" ریوالور والا درشت لہجے میں بولا۔

"بڑے بھائی بُرا مان گئے۔" حمید نے بچوں کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔

فریدی انتہائی بے تعلقانہ انداز میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس ریوالور کو نقلی سمجھتا ہو۔ ایک جگہ ٹیکسی پھر رکی اور ان سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ حمید اٹھ ہی رہا تھا

کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اب بھی ایک ویرانے میں کھڑی ہوئی تھی اور نہ جانے کدھر سے دو تین آدمی اور آ گئے۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ریوالور والا گرجا۔

دوسرے آدمیوں نے ٹیکسی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ڈرائیور ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید کو تو انہوں نے جلدی ہی باہر کھینچ لیا لیکن فریدی ابھی تک اڑا بیٹھا تھا۔ تین تین آدمی اسے کھینچ رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر رہا تھا۔ شامت اعمال ان میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن فریدی کے ہاتھ میں تھی اور وہ دروازوں کے پاٹوں میں دبے ہوئے کتے کی طرح چیخ رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں گولی مار دوں گا۔" ریوالور والے نے باہر سے کہا۔

"ابے تو اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "مار بھی دے۔"

"سکا سکا کر ماروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بھی اپنے دن پورے کر چکے ہو۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"شٹ اپ ....!"

"یو شٹ اپ ڈرٹی ڈاگ....!" حمید حلق کے بل چیخا۔

ریوالور والے نے حمید کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ حالانکہ حمید دو گرانڈیل آدمیوں کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن ریوالور والے کا تھپڑ پڑتے ہی گویا اس کے جسم میں بجلیاں کوند گئیں اور یک لخت اس طرح تڑپا کہ وہ دونوں اسے نہ سنبھال سکے۔ ساتھ ریوالور والا بھی زمین پر آ رہا۔ حمید نے بس اتنا محسوس کیا کہ اس پر بھی کوئی جھپٹ پڑا۔

"خبردار....!" فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور تم ڈرائیور کے بچے باہر نکلو.... نکلو....!"

"ٹھرا....!" حمید کی للکار دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

"حمید ٹیکسی اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔ ہاتھ اٹھائے رکھو۔"

حمید اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا۔ فریدی ان آدمیوں کی طرف ریوالور کی نال کئے

ہوئے آہستہ آہستہ ٹیکسی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے فائر ہونے شروع ہوگئے۔

فریدی جھپٹ کر ٹیکسی کی آڑ میں ہوگیا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے بھی شعلے نکلنے لگے۔

"حمید..... نکل چلو۔" فریدی نے چیخ کر کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید نے ٹیکسی بڑی پھرتی سے گھمائی تھی اور اب اسے اچھی خاصی رفتار سے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک طویل سڑک تھی اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دور چل کر اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی اور بے اختیار اچھل پڑا۔ اگر فوراً ہی اسٹیئرنگ نہ سنبھال لیتا تو ایک درخت سے گاڑی ضرور ٹکرا جاتی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے بوکھلا کر ٹیکسی روک دی۔ آخر فریدی کہاں گیا، کیا وہ بدحواسی میں اسے وہیں چھوڑ آیا۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہ تک نہ دیکھا کہ فریدی بھی بیٹھ چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔

وہ ٹیکسی سے اتر آیا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ دور اسے کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ دفعتاً ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن میں گونج اٹھا۔ کیا وہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اور پھر دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ کر وہ جھاڑیوں کے پیچھے جا چکا تھا۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ کار ٹیکسی کے قریب آ کر رک گئی۔ کئی آدمی اتر کر خالی ٹیکسی کا جائزہ لینے لگے۔

"تلاش کرو۔" ان میں سے ایک چیخا۔ "جھاڑیوں میں گھسو۔"

حمید پنجوں کے بل نشیب میں دوڑنے لگا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں سناٹے کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اچانک حمید کا پیر پانی میں پڑا اور وہ لامحدود گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آگ

دوسرے دن صبح حمید اپنی پلنگ پر پڑا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اپنی الجھن کا وہ

لحہ اچھی طرح یاد تھا جب وہ نادانستگی میں ایک گہرے تالاب میں جا گرا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے تیرنا نہ آتا ہوتا تو اس کا کیا حشر ہوتا اور اگر اسے اس درخت کی شاخ نہ مل جاتی تو وہ کنارے ہی پہنچ کر ڈوب گیا ہوتا۔ وہ بھی دلدل میں کمر تک تو یونہی دھنس گیا تھا۔ کتنی خوفناک دلدل تھی جس کے سہارے وہ پھر سے دنیا دیکھ سکا۔ ورنہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا اور احباب بچارے پلاؤ کے لئے منہ دیکھ کر رہ جاتے۔

فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا؟ حمید خود کو نفرین کر رہا تھا۔ اس نے شروع ہی سے اپنا اطمینان کیوں نہیں کر لیا تھا۔ اگر اسے اس وقت یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ فریدی ٹیکسی میں نہیں بیٹھ سکا تو کبھی اس طرح نہ بھاگتا۔

اس کے خیالات کی رو اچانک یدھ راج گڑھی کی طرف مڑ گئی اور اسے فریدی کے قول کی صداقت پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس پراسرار کتبے کی جس پر مہمل اشعار لکھے ہوئے تھے اہمیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کتبے کے لئے شعبہ تواریخ کے ایک لیکچرار کا قتل ہو گیا۔ اسے اور فریدی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حقیقتاً تخت عقرب جیسے کسی حیرت انگیز تخت کا وجود ہے۔ پھر اسے وہ مہمل اشعار یاد آ گئے اور ساتھ ہی ہنسی بھی آ گئی۔ اس مصرع پر تو اس کا دماغ ہی چل نکلا۔

بچھو پر الو بیٹھے گا

اور اس نے انہیں اوزان میں مصرعے فٹ کرنے شروع کر دیئے

الو پر گدھا بیٹھے گا
گدھے پر مرغی بیٹھے گی
مرغی پر بلی بیٹھے گی
بلی ککڑوں کوں بولے گی

وہ غسل خانے سے آ کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل کسی بات میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ فریدی پر کیا گزری ہو گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ صبح کا اخبار دیکھنے کے لئے لائبریری کی طرف جا ہی رہا تھا کہ نوکر نے ایک تار لا کر اسے دیا۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور لفافہ چاک کرتے کرتے اس کے ذہن نے لاتعداد سوال

رڈالے۔ تار فریدی کے نام تھا۔ لیکن تار دینے والے کا نام پڑھ کر حمید کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ اب کیا مصیبت آگئی۔ اس نے ایک بار پھر تار کا مضمون پڑھا۔

"فوراً آؤ.... ایک نئی مصیبت.... صولت مرزا....!"

حمید سوچنے لگا کہ یہ نئی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا وہ بھوت جمیلہ کو اٹھالے گئے۔ لیکن پچھلی رات کے واقعات کے بعد سے وہ انہیں بھوت سمجھنے پر پس و پیش کر رہا تھا اور پھر ان مہمل اشعار میں بھی تو کسی نقارے کا ذکر تھا۔ ان بھوتوں کو بھی کسی نقارے کی تلاش تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی کم از کم جمیلہ کی بیماری کا معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن فریدی اسے ایک قسم کی بیماری ہی قرار دے رہا تھا۔ خیر چلئے بیماری ہی سہی۔ لیکن وہ کتا جو بیدھ راج گڑھی میں سینکڑوں سال سے روتا چلا آرہا ہے اور عموماً بارش ہی کے زمانے میں روتا ہے اور جب بھی روتا ہے قریب کی ندی میں اتنا زبردست سیلاب آتا ہے کہ کنارے بسے ہوئے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ آخر کوئی منطق اس کا جواز کس طرح پیش کرے گا۔ اسے کس طرح انسانی کارنامہ قرار دے گا۔

کچھ دیر قبل حمید ان سارے معاملات سے بُری طرح بیزار تھا اور کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا اس کی کاہلی کے لئے سم قاتل ثابت ہوا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ بیدھ راج نگر ہی کے واقعات کے سلسلے میں غائب ہوا ہے۔ لہٰذا اب وہ اس معاملے کو کسی طرح نہیں ٹال سکتا تھا۔ خواہ خود اس کی جان ہی کو خطرہ کیوں نہ ہو۔

اس نے فوراً ہی ایک ملازم کو تار کا جواب لکھ کر دیا اور خود ٹیلی فون پر دفتر کے کسی آدمی سے گفتگو کرنے لگا۔

صولت مرزا کو وہ اپنی روانگی کے متعلق تار دے چکا تھا۔ اگر فریدی کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس معاملے میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے اور اسی لئے شاید اس پر کوئی اچانک مصیبت نازل ہوئی ہے اگر وہ بیدھ راج نگر نہ گیا تو ممکن ہے کہ اس کے لئے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی سچ مچ جال میں پھنس گیا ہو۔

اسی رات کو وہ بیدھ راج نگر پہنچ گیا۔ صولت مرزا بذات خود اسٹیشن پر موجود تھا۔ لیکن بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔

"فریدی نہیں آئے۔" اس نے سب سے پہلے سوال کیا۔

"وہ پھر بتاؤں گا.... آپ یہ بتائیے کہ بات کیا ہے۔"

"آؤ چلو باہر گاڑی کھڑی ہے بتاؤں گا.... عجیب قسم کی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔"

وہ دونوں اسٹیشن کے باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔

"کل رات کو اصطبل میں آگ لگ گئی تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کس طرح۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جمیلہ بُری طرح جل گئی ہے۔ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔"

"جل گئیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہ کس طرح جل گئیں۔"

"پچھلی رات کو پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ پُر اسرار آدمی پھر دکھائی دیئے تھے۔"

"اوہ....!"

"وہ اسے پہلے کی طرح اصطبل میں لے گئے اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اصطبل میں آگ لگ گئی۔ بدقت تمام جمیلہ کو اندر سے نکالا جا سکا۔ وہ تو کہو کسی گھوڑے کے پیروں تلے روندی نہیں گئی۔"

"اور وہ آدمی....!" حمید نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں۔"

گھر پہنچ کر حمید نے جمیلہ کو دیکھا جو واقعی بُری طرح جل گئی تھی۔ اس کا سارا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کا سارا چہرہ قطعی محفوظ تھا۔ تین چار نرسیں اس کمرے میں موجود تھیں اور پورے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کھانا کھا لینے کے بعد حمید صولت مرزا کو ساتھ لے کر اصطبل کی طرف گیا جو اب راکھ کا ڈھیر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں ادھ جلی دیواریں کھڑی تھیں جن کی جڑوں تک سیاہی دوڑ گئی تھی۔

"وہاں سے لوٹ کر وہ تمبا کو نوشی کے کمرے میں آ بیٹھے۔"

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے تو کافی اطمینان دلایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق آگ کا اثر اندرونی اعضاء پر نہیں ہے۔"

"تو پھر یقیناً کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تم نے فریدی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

اتنے میں نوکر کافی کی ٹرے لایا اور صولت مرزا کافی انڈیلنے لگا۔

لیکن وہ ابھی تک جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کے متعلق مختصر سب کچھ بتا دیا۔

"ارے تو کیا حقیقتاً اس کتبے یا ان اشعار میں کوئی خاص بات تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔ "تو اب ایک دوسری الجھن۔ نہ جانے فریدی پر کیا گزری ہو۔"

"خیر اسے تو چھوڑیئے۔ مجھے اس کی ذرہ برابر فکر نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ میں آپ سے اس نقارے کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"نقارہ! کیسا نقارہ۔"

"وہی نقارہ جس کی تلاش میں وہ پراسرار آدمی اصطبل کے چکر لگاتے تھے۔"

صولت مرزا کوئی جواب دینے جا رہا تھا کہ ارسلانوس آ گیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر وحشت کے آثار نہیں تھے۔ سر پر بالوں کا گلدستہ نما جھنکاڑ بھی نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیوں اس نے اپنے بال بڑے سلیقے سے سنوار رکھے تھے۔ داڑھی میں بے ترتیبی نہیں تھی۔

"جمیلہ کیسی ہے۔" اس نے پوچھا اور پھر حمید پر نظر پڑتے ہی بولا۔

"اوہ آپ....!"

اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ہاتھ کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں۔

"وہ محمد کمال آفندی کہاں ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہیے۔" حمید نے ٹوکا۔

"وہی وہی....!" ارسلانوس مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں مجھے ان کا یہی نام یاد رہتا ہے۔ ہاں بھئی صولت جمیلہ کا کیا حال ہے۔"

"پہلے سے کچھ بہتر۔" صولت مرزا نے کہا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ارسلانوس دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرایا ہے۔ صولت مرزا کے چہرے پر بیزاری کے اثرات پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے بعد کوئی عذر کر کے اندر چلا گیا۔ حمید ارسلانوس کے پاس آ بیٹھا۔

"آپ جمیلہ کی کیفیت سن کر مسکرائے کیوں تھے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو فرزند! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں کہ مجھ سے ایسی لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

"تو اصطبل میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم شریفوں کی توہین کرتے پھرو۔ اگر تم صولت کے مہمان نہ ہوتے تو میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دیتا۔"

"خیر.... میں صولت مرزا کو اس معنی خیز مسکراہٹ سے آگاہ کردوں گا۔ شاید انہوں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"تم نے پھر وہی بکواس کی۔"

"اچھا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"بیٹا اگر جان کی خیریت چاہتے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے نکل بھاگو۔" ارسلانوس نے کہا۔

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"صولت نے جو کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے دوران میں تم لوگوں کا وجود برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"کیسا کھیل....!"

"وہی کھیل جو اس نے میرے بیٹے کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"اچھا تو آؤ میری ساتھ۔" ارسلانوس اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

وہ اسے عقبی پارک میں لے آیا جہاں بت نصب تھے۔

"صولت مرزا بڑا لالچی آدمی ہے۔ وہ کبھی نہ چاہے گا اس کی دولت کسی دوسرے گھر میں جائے۔ جمیلہ تین لاکھ روپیوں کی بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ او میرا بچہ..... میرا بیٹا بھی... صولت کی ہوس کا شکار ہوا۔" ارسلانوس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

بھوت

حمید کو اپنی عقل خبط ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ شاید ارسلانوس سے دو دو ہاتھ بھی کرنے پڑیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ وہ کسی بوڑھی بھیڑ کی طرح پھپھسانے لگا تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا کہ وہ اسے کن الفاظ میں تسلیاں دے۔ پاگل آدمی ٹھہرا۔ اگر دلاسوں پر بھوں بھوں رونا شروع کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود اسی کو رونے پر مجبور کر دے۔

"لوگ میرے دکھ سے واقف نہیں۔" ارسلانوس سسکیاں روک کر بولا۔ "وہ صرف مجھ سے ہی نفرت کرنا جانتے ہیں۔ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میں خود اپنے لئے جہنم ہو گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

"فلسفہ چیز ہی ایسی ہے۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"فلسفہ.....!" ارسلانوس ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "کاش فلسفے ہی نے میری زندگی پر اثر ڈالا ہوتا۔"

"پھر کیا بات ہے۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں.....!" ارسلانوس نے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

دفعتاً کہیں دور ایک ساتھ تین چار فائر ہوئے تو وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد ہوتے ہی رہے۔

ارسلانوس بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا مگر بے سود۔ پھر اس کے پیچھے دوڑا لیکن پھاٹک کے باہر جاتے ہی ارسلانوس اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ فائر کی آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔

حمید بھاگ کر اندر آیا۔ صولت مرزا اور اس کے کچھ نوکر پھاٹک کی طرف آرہے تھے۔

"کہاں گئے تھے آپ.....؟" صولت مرزا نے حمید سے پوچھا۔

"ارسلانوس کے پیچھے.... نہ جانے کیوں فائروں کی آوازوں پر بے تحاشہ دوڑتا ہوا کسی طرف نکل گیا۔"

"یہ فائر کہاں اور کیوں ہو رہے ہیں۔"

"میں خود ہی الجھن میں ہوں۔" صولت مرزا نے کہا۔ "آپ بیٹھئے میں ابھی..... دیکھ کر آتا ہوں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ کچھ لوگ انہیں اپنی طرف دوڑ کر آتے دکھائی دیئے۔

"کون ہے۔" صولت مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ارے.... سرکار.....!" کسی نے کہا اور وہ سب ان کے قریب آگئے اور پھر ان میں سے ایک ہانپتا ہوا بولا۔ "سرکار گڑھی میں گولیاں چل رہی ہیں۔"

"کون ہے۔"

"نہ جانے سرکار.... بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو۔"

"آپ ہی کے پاس سرکار.... تھانیدار صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ اپنی سب بندوقیں لے کر یا تو خود آجایئے یا بھجوا دیجئے۔"

صولت مرزا نے کچھ نوکر گھر کی طرف دوڑائے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بندوقیں اور میگزین لے کر آگئے۔ پھر انہوں نے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک فائروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سکون ہو گیا۔

"لیکن یہ سب یک بیک ہوا کیسے۔" صولت مرزا نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نہ جانے سرکار! بس اچانک گولی چلی پھر تھانیدار صاحب دو تین سپاہیوں کے ساتھ آگئے۔ لیکن گڑھی میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تھانے میں اس وقت دو رائفلیں تھیں اس لئے انہوں نے

مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔"

وہ گڑھی کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن فائر کی آوازیں نہیں سنائی دیں۔ مجمع دور کھڑا تھا۔ کچھ لوگوں کے پاس لالٹینیں اور پٹرومیکس بھی تھے۔ لیکن شاید گڑھی کے اندر جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ سب انسپکٹر بھی دو تین سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

"کہئے صاحب۔" صولت مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا نواب صاحب۔" سب انسپکٹر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "ان لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ آسیب واسیب۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "پچھلی رات والی جنگ کے بعد سے اس کے خیالات کچھ ڈانواں ڈول سے ہو گئے تھے اور پھر اس وقت اسے مجمع پر کچھ رعب بھی توڈالنا تھا۔"

"تو پھر چلئے اندر....!" صولت مرزا نے کہا۔

"یہ ذرا خطرناک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ کہاں چھپے ہوں۔"

"کون.... آسیب....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فریدی صاحب کے ساتھی تو نہیں۔" سب انسپکٹر نے صولت مرزا سے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... تو پھر کیا کیجئے گا۔"

"میرے خیال سے تو اب صبح ہی پر رکھا جائے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"چہ خوب....!" حمید نے صولت مرزا کے نوکر کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے کہا۔ اس نے میگزین میں کارتوس ڈالے اور رائفل اٹھا کر دو تین ہوائی فائر کر دیئے۔

لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔ تھوڑی وقفے کے بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ لیکن بدستور خاموشی رہی۔

"آیئے....!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے میں ٹارچ۔ اسے بڑھتے دیکھ کر صولت مرزا بھی بڑھا۔ پھر سب انسپکٹر اور صولت مرزا کی بندوقیں دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

وہ سب گڑھی میں داخل ہو گئے۔ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے وہ چاروں طرف دیکھتے پھر رہے تھے۔ لیکن یہاں چاروں طرف ایک اتھاہ سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چلنے سے پیروں کے تلے

آئی ہوئی روڑیوں کی کڑکڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

کئی جگہ انہیں خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیئے۔ انہیں کسی لاش کے ملنے کی بھی توقع تھی۔ لیکن پوری گڑھی کا چکر لگالینے کے باوجود بھی کوئی لاش نہ ملی۔

تھوڑی دیر بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ صرف سب انسپکٹر صولت مرزا حمید اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ پھر صولت مرزا بھی جمیلہ کی علالت کا عذر کر کے جانے لگا۔ اس پر حمید نے اسے الگ لے جاکر کہا۔

"آج رات ان پُر اسرار آدمیوں کا خیال رکھئے گا۔ دیکھئے وہ آج آتے ہیں یا نہیں۔"

"تو کیا تم یہیں ٹھہرو گے۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

"آخر کیوں؟"

"اپنے لئے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں آج رات کو میں چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فی الحال کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"خیر بھئی آج رات تو یوں بھی نیند آجائے گی۔ اچھا تو میں چلا لیکن تمہارے لئے فکر مند ضرور رہوں گا۔"

صولت مرزا کے چلے جانے کے بعد حمید پھر سب انسپکٹر کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ نہیں گئے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ رہ کر تفتیش میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"شکریہ۔ اگر فریدی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا تھا۔ آخر وہ کہاں رہ گئے۔"

"وہ شہر میں ہیں۔"

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اس کے متعلق خیال آرائی کرتے رہے پھر سب انسپکٹر نے تفتیش شروع کردی۔ اس سلسلے میں قصبے کے گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ راہگیروں کو روک کر ان سے سوالات کئے گئے۔ دو ایک چھوٹے زمیندار جو سب انسپکٹر سے پرخاش رکھتے تھے حوالات پہنچائے گئے۔

حمید نے جب بھی اعتراض کا منہ کھولا تو اسے یہی جواب ملا۔ "آپ ان حرام زادوں کو نہیں

جانتے۔ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتے ہیں۔"

تقریباً تین بجے اس چرخے سے نجات ملی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بقیہ رات تھانے ہی میں بسر کرے لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب صبح تک ان بے گناہ گرفتار شدگان کا کچومر نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ وہاں رہا تو اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ تا چار وہ صولت مرزا کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حقیقتاً وہ اس وقت وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ادرسلاتوس کے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

بے خیالی میں وہ سامنے والے پھاٹک سے جانے کے بجائے عقبی پارک کی طرف مڑ گیا۔ اصطبل کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ جلے ہوئے اصطبل کے ملبے پر ایک آدمی جھکا ہوا نظر آیا۔ اس نے انہیں آدمیوں کا سا قدیم رومن لباس پہن رکھا تھا جنہیں حمید بھوت سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا۔ حمید ذہن پر زور دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ ان پانچوں کے چہرے تو اسے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ دفعتاً حمید چونک پڑا۔ اس کی صورت تو اس بت سے ملتی جلتی تھی جسے جمیلہ زفورس کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تو کیا؟ وہ حقیقتاً بھوت ہے۔ حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا مہندی کی باڑھ میں چھپ گیا۔ وہ پُر اسرار آدمی اپنے نیزے سے ایک جگہ اصطبل کا ملبہ ہٹا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ ملبے کے ڈھیر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن پھر اس کے جسم میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ریوالور تو اس کے سوٹ کیس میں بند تھا۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" وہ مہندی کی باڑھ کے قریب آکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہاری ہڈیوں میں اترتا چلا جائے گا۔"

حمید کھڑا ہو گیا لیکن اس کے سارے جسم میں کپکپی طاری تھی۔

"میں تمہیں شہید کر کے بھوت بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

حمید خاموش رہا۔ پھر وہ پُر اسرار آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور ساتھ ہی حمید ارے کہہ کر جو اچھلا ہے تو ایک ہی جست میں مہندی کی باڑھ پار کر گیا۔ ہنسی کا انداز فریدی کا سا تھا۔

"خدا کی قسم اسی بل بوتے پر سراغ رسانی کا دعویٰ رکھتے ہو۔"

"اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تو میں کسی کنوارے گدھے سے تمہاری شادی کر دیتا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میرے یار تو سچ مچ لونڈیوں سے بھی بدتر ہیں۔"

دفعتاً فریدی کے چہرے پر پھیلی ہوئی زرد روشنی غائب ہو گئی۔

"یہ کس طرح ہوا۔" حمید بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر پر رکھے ہوئے خود میں اندر کی طرف ننھے ننھے تین بلب لگے ہوئے ہیں جن کا تعلق میری جیب میں رکھی ہوئی ایک معمولی سی بیٹری سے ہے جب چاہتا ہوں انہیں جلا دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں بجھا دیتا ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن آپ نے اتنی جلدی یہ سامان کہاں سے مہیا کر لیا۔"

"سب ڈاکٹر بھٹناگر کی عنایت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آؤ آؤ ادھر.... جھاڑیوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔"

"کل رات کہاں رہ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تم شاید سمجھے ہو گے کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔" اس نے کہا۔ "بات یہ نہیں تھی۔ اس وقت کی چال بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ وہ اندھیرے میں یہی سمجھے کہ میں بھی اسی ٹیکسی پر بیٹھ کر نکل گیا ہوں۔ اس طرح مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگ تو بے چارے رات بھر مجھے تلاش کرتے رہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان کی تلاشی لینے پر مجھے خود بھی یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق میرا اندازہ قطعی درست تھا۔ وہ پانچوں پُراسرار آدمی اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے اسی کے گھر سے چرا کر لایا ہوں۔"

"لیکن وہ پانچوں تو کل رات کو یہاں اسی لباس میں موجود تھے۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بھٹناگر کے یہاں صرف پانچ آدمیوں کے لئے لباس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہاں کئی جوڑے وردیاں اور ہیں۔ ہاں تو وہ کل رات کو نقارہ یہاں سے نکال لے گئے۔"

"یعنی اصطبل سے....؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہاں.... اپنی عقلوں پر تو پتھر پڑ گئے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنی یہ حماقت بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ وہ نقارہ دراصل یہاں گھوڑوں کے دانہ کھانے کے ہودے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ خود صولت مرزا بھی اس کی حقیقت یا اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ کل وہ لوگ اسے کھود کر نکال لے گئے اور ساتھ ہی وہ اصطبل میں آگ بھی لگا گئے۔"

"آخر تھا کیا اس نقارے میں....!"

"اس راستے کا نقشہ جو ہمیں تخت عقرب تک لے جاتا۔"

"یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔"

"قیاس...!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آج وہ یدھ راج گڑھی میں راستہ تلاش کر رہے تھے۔"

"تو کیا وہ ساری اودھم....!"

"میں نے ہی مچائی تھی۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ "ان کے کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔"

"مگر لاشیں....!"

"وہ اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا راز ظاہر ہو جاتا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"آخر انہوں نے نقارے کی تلاش کے لئے یہ سوانگ کیوں بھرا تھا۔"

"یہ ان کی زبردست چال تھی۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اس معاملے میں ڈاکٹر بھٹناگر کی ذہانت کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ یدھ راج گڑھی کی کھدائی کے دوران میں صولت مرزا ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔ غالباً وہ جمیلہ کے مرض سے واقف ہو گیا تھا۔ اس کی نظر خصوصاً اس بات پر زیادہ تھی کہ جمیلہ دورے کی حالت میں قدیم روم اور یونان کی باتیں کیا کرتی ہے خود کو قدیم مصر کی باشندہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا اس نے اسی حوالے سے قدیم رومن سپاہیوں کی اختراع کی تاکہ دیکھنے والے اسے آسیبی سمجھ کر ان سے دور ہی رہیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔"

"اور آپ.... آپ اس لباس میں کیوں آئے۔"

"اپنا بھی وہی مقصد تھا اگر اس لباس میں نہ آتا تو ممکن ہے کہ مجھے گولی ہی ماردی جاتی۔"

"کون گولی مارتا۔"

"صولت مرزا....!"

"کیوں؟"

"شاید نیند نے تمہاری سوچنے کی قوت سلب کرلی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے میاں.... کل اس کی لڑکی اسی اصطبل میں بُری طرح جل چکی ہے۔ بھلا آج رات کو اس کے قریب آنے والا زندہ رہ سکتا تھا۔ صولت مرزا نے مجھے اس لباس میں یہاں دیکھا تھا اور چپ چاپ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کھڑکی یا روشندان سے جھانک رہا ہو۔"

حمید فریدی کو اپنی اور ارسلانوس کی گفتگو کے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ارسلانوس گولیوں کی آوازیں سن کر بے تحاشہ بھاگا کیوں تھا۔"

"وحشت....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ارسلانوس کی شخصیت بھی کچھ مشتبہ سی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صولت مرزا کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"ایک بہت ہی معمولی وجہ تو اس کا مرحوم بیٹا ہے۔" حمید نے کہا۔ "صولت مرزا کی کسی حرکت کی بناء پر گھل گھل کر مر گیا۔"

"یہ ارسلانوس کا بیان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اس کے لڑکے کی پرورش دراصل صولت مرزا ہی کے یہاں ہوئی تھی۔ ارسلانوس اپنی بیوی کے مرنے کے بعد سے لڑکے کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک بار سخت بیمار تھا۔ اس کے سارے جسم پر زخم ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے بج بجایا کرتے تھے۔ ارسلانوس نے اسے گھر سے نکال کر گلی میں ڈلوا دیا تھا۔ اگر صولت مرزا نہ ہوتا تو کیڑے اس کی ہڈیاں تک چاٹ جاتے۔"

"بھئی یہاں تو میری عقل ہی خبط ہو گئی ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"پہلے بھی نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اس نقارے کا علم کیونکر ہوا جب کہ خود مرزا بھی اس کے وجود سے لاعلم تھا۔ اسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ نقارہ صولت ہی کے یہاں کہیں پر موجود ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چونک کر کہنے لگا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا....؟"

"جمیلہ کو آپ قطعی معصوم قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔ خود کسی بات سے واقف نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بتایئے کہ اس کا فاؤنٹین پن یدھ راج گڑھی تک کیسے پہنچا۔"

"ہاں یہ سوال بھی غور طلب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہے جلد ہی سامنے آجائے گا۔"

"تو آپ چلے کہاں؟" حمید نے کہا۔

"جہاں اب تک تھا.... تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ میرے متعلق صولت مرزا کو کچھ نہ بتانا۔"

اور پھر وہ کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

خون ریز جنگ

فریدی نے ان پانچ آدمیوں کا بھی راز ظاہر کر دیا۔ نقارے کے متعلق بھی اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔ جمیلہ کی ذہنی بیماری بھی حقیقت رکھ سکتی ہے لیکن وہ اس کتے کی آواز کو کس طرح آدمی کا کارنامہ ثابت کر سکے گا۔ جب کہ وہ سینکڑوں سال سے سنی جا رہی ہے۔

صبح سے صولت مرزا سے کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ پچھلی رات کو بھی اصطبل کے قریب ان میں سے ایک آدمی دکھائی دیا تھا اور اس کی شکل پارک میں نصب شدہ بتوں میں سے ایک سے ملتی جلتی تھی۔ صولت مرزا جمیلہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ جمیلہ کی حالت پہلے سے بہتر ضرور تھی لیکن وہ ہر وقت کراہتی اور چیختی رہتی تھی۔ جلنے کے بعد سے وہ اب تک سو نہیں سکی تھی۔ دو ایک بار صرف غشی کے دورے پڑے تھے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ جلنے کے بعد سے اب تک اس نے ہزار دو ہزار سال پرانی باتیں نہیں کی تھیں اور وہ ہر ایک کو پہچان بھی رہی تھی۔ بار بار ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ وہ آخر جلی کیسے؟ کہاں اور کب جلی۔

حمید دن بھر اوگھتا رہا۔ دوایک بار شکیلہ سے بھی مڈ بھیڑ ہوئی اور حمید نے اسے مخاطب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ کچھ بولی نہیں یا شاید جمیلہ کی وجہ سے اس کی ساری شوخی ختم ہوگئی تھی۔ عقیلہ کے بچے بھی خاموش تھے۔

تقریباً تین بجے شام کو ایک لڑکے نے حمید کو لفافہ دیا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھ کر اسے رخصت کردیا۔ یہ خط فریدی کا تھا۔ اس نے شام کو یدھ راج گڑھی کے قریب کے جنگل میں بلایا تھا۔ اس کے علاوہ خط میں کچھ اور نہیں تھا۔

حمید ایک نئی الجھن میں پڑ گیا۔ فریدی شاید ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تنہا ہی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ تنہا نپٹنے کا نہیں تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر بھٹناگر کا گروہ کتنا مضبوط ہو۔ وہ دو آدمی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ بہرحال اسے جانا ہی تھا۔ سوچتے سوچتے اسے رات والی جنگ کا خیال آ گیا کل تو فریدی بالکل تنہا تھا۔ وہ ان سے اکیلا ہی بھڑ گیا تھا اور اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کئی ایک کو ختم کردیا ہے۔

چھ بجتے ہی وہ جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنا ریوالور لے لیا تھا اور کافی تعداد میں کارتوس بھی۔ اسے دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک اونچے اور گھنے درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اسے اوپر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ فریدی گھنی شاخوں سے سر نکالے جھانک رہا تھا۔ اس نے حمید کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور حمید بھنا کر رہ گیا۔

"اس وقت آپ جیسے بلند مقاموں تک میری رسائی ناممکن ہے۔ میں آپ کے جنگل خانے تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"چپ.....!" فریدی ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولا اور پھر اشارے سے اوپر چڑھنے کو کہا۔

مجبوراً حمید نے جوتے اتار کر پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور درخت پر چڑھنے لگا۔

دفعتاً فریدی نے گلے میں لٹکی ہوئی دوربین آنکھوں سے لگائی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ سر گھماتا ہوا یدھ راج گڑھی کی سمت پلٹا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر دوربین چھوڑ کر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

"وہ آج بھی باز نہیں آئیں گے۔ ڈھائی تین من سونا کم نہیں ہوتا اور پھر اسی کے ساتھ ہی ساتھ قیمتی جواہرات بھی جو اس تخت میں جڑے ہوئے ہیں۔"

"مجھے تو یہ اب بھی بنڈل ہی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر..... خیر..... ذرا اسے دیکھو۔" فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ابھی تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ حمید نے کاغذ پر نظریں جمادیں۔ اس پر سرخ روشنائی سے بچھو کا ڈنگ بنا ہوا تھا اور کچھ ہندسے بنے ہوئے تھے۔ کچھ تیروں کے نشانات تھے۔ ڈنگ کے چاروں طرف سمتوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو دوربین سے یدھ راج گڑھی کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"کیا یہ ڈراؤنے خوابوں کا تعویذ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں بیٹے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "کیا تمہیں ان مہمل اشعار کا وہ مصرعہ یاد نہیں رہا۔"

"کون سا.....!"

"نقارے میں ڈنگ لگا ہے۔"

"ہاں تو پھر.....!"

"یہ وہی ڈنگ ہے جو نقارے میں لگا ہوا تھا۔"

"آپ کو ملا کہاں سے۔"

"کیا تم اس کاغذ پر خون بھری انگلیوں کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کل رات کو انہیں میں سے کسی کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ ابھی تک یدھ راج گڑھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً حمید کی طرف مڑ کر دوربین اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا تو یہ کون ہے؟"

حمید نے دوربین لے کر آنکھوں سے لگائی۔ یدھ راج گڑھی میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ٹوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ میں چھپتا پھر رہا تھا۔

"یہ تو ارسلانوس معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال ارسلانوس کو بھول جاؤ۔ ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔"

آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جارہا تھا اور جنگل مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

"کچھ معلوم ہے کہ وہ ہیں کتنے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے پاس چھ عدد بہترین قسم کے بندوقچی ہیں۔"

"ان کے نام سنو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن ابراہیم جلیس، میجر شفیق الرحمٰن، کرنل کنہیالال کپور، سارجنٹ میجر شوکت اور انسپکٹر جاوید۔"

"لیکن یہ سب ہیں کہاں۔"

"درختوں پر۔" فریدی نے کہا۔ "انہیں آج ہی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن حمید کا ذہن ارسلانوس میں الجھا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ حمید چونک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ یدھ راج گڑھی میں کہیں کہیں پر روشنی کے ہلکے ہلکے متحرک دھبے نظر آرہے تھے۔

"لیکن ایک بات تو سنئے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے کہ آج یہاں کی پولیس مداخلت کر بیٹھے۔"

"کوئی ہرج نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ڈاکٹر بھٹناگر کا وارنٹ ہے۔ اس پر ایک قتل کا بھی الزام ہے۔"

"یہ روشنیاں۔" حمید نے کہا۔

"شاید انہوں نے راستے کی تلاش شروع کردی ہے۔" فریدی نے کہا اور ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔ قریب کے دو تین درختوں پر سرسراہٹ سنائی دی۔

"آؤ اب اتر چلو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے اترتے ہی ان چھ آدمیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ وہ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر گڑھی کے قریب پہنچ کر انہوں نے زمین پر لیٹ کر سینوں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔

گڑھی میں پندرہ بیس آدمی دکھائی دیئے جنہوں نے قدیم رومن سپاہیوں جیسا لباس پہن

رکھا تھا اور ان کے چہروں پر ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں دو تین جھکے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں زمین دیکھ رہے تھے۔ فریدی کے ساتھیوں میں سے کسی نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی انہیں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہے۔

جھکے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر تھا۔ اس نے جھکے ہوئے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ بھی سیدھے ہو گئے۔

"کیا یہ لوگ کل اسی لباس میں تھے۔" حمید نے فریدی سے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں! آج انہوں نے ضرورتاً ایسا کیا ہے۔ اگر کل گولیاں نہ چلی ہوتیں تو شاید یہ اتنی احتیاط نہ کرتے۔"

"تو اب کیا کہتے ہو۔" ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ابھی ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا۔

بھٹناگر کا ایک ساتھی اپنے آدمیوں سے ہٹ کر ایک منارے کی طرف گیا۔ پھر وہاں سے الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لیکن واپسی میں کسی قدر اہتمام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قدم گن رہا ہو۔ اتنی دیر میں فریدی اور اس کے ساتھی ٹوٹی ہوئی دیواروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پچیس قدم یہاں پورے ہوتے ہیں۔" بھٹناگر کے ساتھی نے کہا۔

بھٹناگر اس کے قریب آ گیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں کچھ دیکھنے لگا۔

"مگر یہاں بھی ویسا نشان نہیں دکھائی دیتا۔" بھٹناگر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہاں کبھی اس قسم کی عمارت تھی تو کم از کم اس کے آثار تو ہونے ہی چاہئے تھے۔"

"کہیں ہم الو نہیں بن گئے۔" کسی نے کہا۔

"یقیناً الو ہی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "خبردار اگر کوئی ہلا تو کھوپڑی اڑی۔"

آناً فاناً ان کے چہروں کی روشنیاں غائب ہو گئیں اور وہ سب پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔ فریدی اور اس کے ساتھی بلندی پر ضرور تھے لیکن اب انہیں وہ لوگ صاف نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے سر ابھارا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا۔ مگر نہ جانے وہ کیسے بچ گیا۔

"فائرنگ شروع کر دو۔" فریدی نے کہا اور ادھر سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ حمید نے بھی

ریوالور نکال لیا تھا۔ دونوں طرف سے بے تحاشہ گولیاں چل رہی تھیں۔ بھٹناگر کی طرف دو تین چیخیں بھی سنی گئی۔

"یوں نہیں۔" فریدی بولا۔ "ایک ایک آدمی دائرے کی شکل میں کھسکتا چلے۔ وہ لوگ ایسے میں اوپر چڑھنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

سب نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کردیا۔ لیکن ان کے ریوالور برابر آگ اگلتے جارہے تھے۔ دوسری طرف پھر ایک چیخ سنائی دی۔ گڑھی کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا اور باہر بھی ایک آدھ فائر سنائی دیئے۔ شاید باہر والے حمید کے پچھلی رات کے تجربے کو دہرا رہے تھے۔

ادھر بھٹناگر کی طرف کے ایک آدمی نے اوپر آنے کی کوشش کی اور حمید کے ریوالور نے اسے پھر نیچے پہنچادیا۔

"فضول ہے ڈاکٹر بھٹناگر۔" فریدی نے زور سے کہا۔ "اب بھی بہتر ہے کہ باز آجاؤ۔"

دوسری طرف سے فائر بند ہوگئے اور فریدی کے ساتھیوں نے گولیاں چلانا بند کردیا۔

"بولو کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پھر آواز دی لیکن جواب ندارد۔ فریدی نے ایک فائر بھی کیا لیکن اس کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ فریدی نے دو تین فائر اور کیئے.... لیکن بے سود۔

آخر انسپکٹر جاوید نے ٹارچ روشن کی۔ نیچے آٹھ زخمی یا مردے دکھائی دیئے۔ فریدی تیزی سے نشیب میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے بقیہ لوگ بھی تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں قرب و جوار میں پھیلنے لگیں۔ لیکن بھٹناگر اور اس کے بقیہ ساتھیوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔

"اچھا میاں جاوید صاحب سیٹی ہوگی تمہارے پاس۔" فریدی نے کہا۔ "ہونی تو چاہئے کیوں کہ اتفاق سے تم اس وقت وردی میں ہو۔"

"کیا کرو گے سیٹی۔" انسپکٹر جاوید نے جیب سے پولیس کی سیٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"عقل کے ناخن لو یار۔" فریدی نے کہا۔ "مقامی پولیس کے آدمی باہر موجود ہوں گے۔ اگر انہوں نے اندر گھس کر ہم پر بے تحاشہ گولیاں برسانی شروع کردیں تو کیا کرو گے۔ اچھا چلو.... بجاؤ خطرے کی سیٹی۔"

انسپکٹر جاوید نے خطرے کی سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب آیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد بھاری بھرکم جوتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فریدی نے ٹارچ سے اشارہ کیا اور مقامی پولیس کے

جوان دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ شاید آج احتیاطاً دوسرے تھانے سے بھی کچھ سپاہی بلوالئے گئے تھے۔

"ارے آپ....؟" سب انسپکٹر فریدی کو دیکھ کر چیخا اور پھر متحیرانہ انداز میں زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔

"ہمیں کچھ اور آدمیوں کی تلاش ہے جو اس وقت بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ ہیں کون....؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"قاتل.... سازشی اور خطرناک قسم کے مجرم۔ ان کے وارنٹ میرے پاس موجود ہیں۔ انہیں اٹھوا کر لے جائیے۔ ہم دوسروں کی تلاش میں ہیں اور یہ قصبے والوں کی بھیڑ یہاں سے ہٹوا دیجئے۔ کوئی گڑھی کے اندر نہ آنے پائے۔"

سب انسپکٹر زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا اور یہ لوگ دوسروں کو ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔

تختِ عقرب

"آخر گئے کہاں۔" کیپٹن حامد پر تشویش لہجے میں بولا۔ "اگر اوپر چڑھتے تو صاف دکھائی دے جاتے۔ ایک نے چڑھنے کی کوشش کی تھی ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔"

"اوپر تو نہیں گئے۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"تو پھر زمین میں گھس گئے ہوں گے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں گری ہوئی عمارتوں کے ملبے کے درمیان ایک تنگ سا راستہ دکھائی دیا جس کے دونوں طرف کے ڈھیر چھ سات فٹ سے کم بلند نہیں تھے۔ وہ اس میں گھس پڑے۔

"غالباً وہ اسی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ساری محنت برباد ہو گئی۔ بہت زیادہ دور اندیشی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر میں سیٹی وغیرہ

کے چکر میں نہ پڑا ہوتا تو وہ نکل کر جا نہیں سکتے تھے۔"

"پھر بھی۔" انسپکٹر جاوید بولا۔ "وہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ میرے خیال سے تو اب تم وہ کام شروع کردو جس کے لئے دردِ سر مول لی ہے۔ فی الحال راستہ صاف ہو گیا ہے۔"

"اس نقشے کی مدد سے تو ہم عمر بھر وہاں نہ پہنچ سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیونکہ شاید ظاہری نشانات مٹ چکے ہیں۔ میں نے اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بھٹناگر کا ساتھی مینار سے پچیس قدم تک بالکل ٹھیک چلا تھا۔ اس جگہ بچھو کے ڈنگ کی شکل کی کسی عمارت کے آثار ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے، ہاں ایک دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ٹھیک اسی جگہ کھدائی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس تخت کو کسی تہہ خانے ہی میں ہونا چاہئے۔"

وہ لوگ ابھی تک اس تنگ راستے میں چل رہے تھے۔ دفعتاً کچھ دور پر انہیں ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر فوراً ہی غائب ہو گیا۔ ان کی ٹارچوں کی روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ لیکن پوری راہ سنسان پڑی تھی۔ جس جگہ سایہ دکھائی دیا تھا وہاں پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس کی نظریں چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ قریب ہی اسے ایک غار دکھائی دیا جس کے دہانے پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ فریدی نے جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر اندر روشنی ڈالی۔ یہ ایک بڑا سا غار تھا جس کا دوسرا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی.... اور زمین گیلی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"یہاں دیکھو! پیروں کے یہ نشانات بالکل تازہ معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ہیں تو....!" حمید نے کہا۔ "اور کئی آدمیوں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو آؤ.... پھر انتظار کس بات کا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر بھٹناگر ہاتھ آ گیا تو ممکن ہے کہ ہم وہ راستہ بھی پا جائیں ورنہ ویسے تو کوئی امید نہیں ہے۔"

وہ سب غار میں اتر گئے۔ فریدی آگے آگے چل رہا تھا۔ کچھ دور تک زمین بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ اندر گھستے ہی ان پر مچھروں نے یلغار کر دی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کئی ایک اس کی ناک کے راستے پیٹ میں بھی اتر گئے ہوں۔ اتنے مچھروں کی بھنبھناہٹ اس کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھیں۔ وہ اپنے منہ پر تھپڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے غار تنگ ہوتا گیا اور پھر کچھ اور آگے چل کر صرف اتنا بڑا

سوراخ رہ گیا جس سے صرف ایک آدمی لیٹ کر گزر سکتا تھا۔ فریدی نے جھک کر اس میں تارچ کی روشنی ڈالی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تم سب ایک باراس کی زیارت کر لو۔" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولا۔

سب سے پہلے حمید جھکا اور وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں جواب طلب انداز میں فریدی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باری باری سب نے دیکھا اور بت بن کر رہ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" فریدی پھر بولا۔

"تو کیا وہ دروازہ...!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی انہیں تخت عقرب مل ہی جائے گا۔ اس نے اس سوراخ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ دیکھا تھا۔

"دیکھو.... دیکھو۔" فریدی سوراخ پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ سوراخ بھی قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے گرد جمی ہوئی کائی یہ بتاتی تھی کہ یہ سوراخ خاص طور پر بنایا گیا ہے اور پھر یہاں کائی کا کیا کام۔ جب کہ یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچ پاتی ہو گی۔ ذرا یہ قرب وجوار کی زمین دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کبھی پانی پڑا ہی نہیں۔ پھر یہاں اس دہانے میں کائی کہاں سے آئی۔ اس کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی سینچائی کی جاتی ہے۔"

"ممکن ہے اوپر کا پانی رس رس کر یہاں تک پہنچتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر یہ بات ہوتی تو ہمارے اوپر کا حصہ بھی نم ہوتا۔ لیکن وہ بالکل ہی خشک پڑا ہے۔ خیر تو اب کیا ارادہ ہے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"میں ہی شروعات کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لیٹ کر سوراخ کے اندر رینگ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اوہو...!" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے سوراخ پر رکھ دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی چیز پر ڈھکن لگا دیا گیا ہو۔ اس نے اسے پھر ہٹا لیا۔

"یہ دیکھو اس میں بھی ایک طرف ویسی ہی کائی لگی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سچ مچ اس سوراخ کا ڈھکن ہے۔ اگر اسے اس میں لگا دیا جائے تو دوسری طرف سے راستہ قطعی مسدود

معلوم ہوگا۔ بھئی داد دینی پڑتی ہے اس کار یگری کی۔"

وہ بولتے بولتے خود بخود چونک پڑا اور پھر کہنے لگا۔ "تو کیا بھٹنا گر سے بھی پہلے کوئی اس تہہ خانے پر قبضہ کر چکا ہے۔"

"اسے چھوڑو..... اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

فریدی پتھر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی درازوں سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی آگے بڑھ کر درازوں سے جھانکنے لگا اور پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"میں تم لوگوں کو ہرگز اندر نہ جھانکنے دوں گا۔ ورنہ تم لوگ بھاگ نکلو گے۔"

"کیوں؟ کیوں؟" سب لوگ آگے بڑھے۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے کافی زور صرف کیا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تڑوانا پڑے گا۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

حمید مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے دروازے کی درز سے آنکھ لگادی۔ دوسرے لمحے میں وہ چیخ کر فریدی پر آرہا۔

"کیوں..... بس مر گئے..... منع کیا تھا۔" فریدی نے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بیٹے حمید صاحب یہ وہی باؤلی ہے جس کی مجھے تلاش تھی..... جہاں میں نے چند گھنٹے گزارے تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یہ دروازہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے بھی اس وقت یہی دیکھا تھا۔"

کرنل کپور بھی جھپٹ کر دروازے کے قریب آیا۔ لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو حمید کا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی۔" کیپٹن جلیس نے اپنے کلاک ٹاور جیسے جسم کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں! ادھر مت جاؤ۔" کرنل کپور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آخر کیوں؟"

"انسانی کھوپڑیاں خلاء میں ناچ رہی ہیں ان میں چراغ جل رہے ہیں۔"

"ارے باپ.....!" کیپٹن ابراہیم جلیس نے بوکھلا کر کہا اور گھبراہٹ میں اونٹ کی طرح

بلبلانے لگا۔

"چھوڑیار.....!" شفیق الرحمٰن نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "روشن دماغوں کی کھوپڑیاں ہوں گی۔"

باری باری سب نے اندر جھانکا اور سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ خصوصاً ابراہیم جلیس کی بلبلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔

"یار جلیس.....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم ایک بار ٹارزن سے کشتی لڑ جاؤ۔ تمہاری ساری کلیں خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بلبلاہٹ بدستور جاری رہی۔

"اس دروازے کو توڑنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"ت..... توڑنا..... کیا کہہ رہے ہیں..... حضرت.....!" جلیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"یار میں تمہیں بڑا بہادر سمجھتا تھا۔"

فریدی نے بدقت تمام انہیں راضی کیا اور جلیس کے علاوہ وہ سب مل کر زور لگانے لگے۔ دفعتاً اندر کسی وحشی درندے کی غراہٹ سنائی دی اور وہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"تم لوگ نہ جانے کس ریگستانی مٹی کے بنے ہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ارے بابا ہم سب کے پاس ریوالور ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ملنگ..... کون؟" جلیس پھر ہکلایا۔

"یار تم چپ ہی رہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

غراہٹ برابر سنائی دے رہی تھی اور وہ سب بُری طرح کانپ رہے تھے۔

خصوصاً حمید اور جلیس کی تو جان ہی نکل رہی تھی۔

"آخر تم اسے کیا سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"بھھ..... بھوت.....!" کیپٹن حامد نے کہا۔

"بکواس۔ اگر وہ بھوت ہے تو اندر ہی سے کیوں غرا رہا ہے۔ باہر کیوں نہیں نکلتا۔ اگر وہ واقعی بھوت ہوتا تو اب تک تمہاری گردنیں کس طرح سلامت رہتیں۔"

"مگر..... مگر.....؟" حمید نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"آپ تو براہ کرم خاموش ہی رہئے.... چغد کہیں کے۔"

فریدی انہیں بڑی دیر تک سمجھاتا رہا اور پھر کسی نہ کسی طرح انہیں دروازہ توڑنے پر راضی کرلیا۔

بدقت تمام ایک تختہ نکل سکا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ فریدی نے اندر ہاتھ ڈال کر کنڈی گرادی اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ غراہٹ کی آواز اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی نے اندر داخل ہوتے ہی خلاء میں ناچتی ہوئی کھوپڑیوں پر فائر کئے۔ سب کی سب.... چناخ چناخ ٹوٹ کر بکھر گئیں اور باؤلی میں اندھیرا پھیل گیا۔ سب نے ٹارچیں روشن کرلیں۔ انہیں آٹھ دس آدمی زمین پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر کے آدمی تھے اور غالباً وہ بھی انہیں میں رہا ہوگا۔

فریدی نے اس طرف روشنی ڈالی جدھر سے غراہٹ کی آواز آرہی تھی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے یہ تو ارسلانوس ہے۔"

"ہاں ہاں.... میں ہی ہوں۔" اوپر کے دریچے سے آواز آئی۔ "اور اب تم لوگ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاسکتے۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اس نے فائر کردیا۔ پھر باؤلی کی تنگ فضا پے در پے فائروں سے گونج اٹھی۔ فریدی آہستہ آہستہ زینوں کی طرف رینگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا۔ ارسلانوس کے ریوالور سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اس کی رہنمائی کی اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے زور آزمائی کررہے تھے۔

"کیا پکڑ لیا۔" نیچے سے کسی نے پوچھا۔

آواز سن کر فریدی اس طرح چونکا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ارسلانوس صاف نکل گیا۔ فریدی اندھیرے میں اس کے دوڑنے کی آواز پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازہ بند کیا گیا ہو۔ اتنی دیر میں اس کے ساتھی بھی اوپر آگئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کھولنا چاہا مگر ان کی کوشش بے کار

گئی۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔

"بھٹاگر کے ساتھیوں میں سے ایک کی کمر میں کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہ دروازہ کلہاڑی کی ضربوں سے ہل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسے بھی توڑ گرایا اور ساتھ ہی اندر سے ایک فائر ہوا اور فریدی کا ساتھی چیخ کر پیچھے لڑھک گیا۔ بقیہ لوگ اودھر اُدھر ہو گئے۔ فائروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ارسلانوس ریوالور پھینک دو۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ تخت میرا.... میرا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی نہیں لے سکتا۔"

وہ برابر فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ دفعتاً اندر چیخ سنائی دی۔

"ہو.... اف.... باخ.... میرا ہے.... یہ میرا ہے.... کوئی نہیں لے سکتا۔"

"باخ.... خاہ.... میرا ہاخ....!"

اندر سے گولی چلنی بند ہو گئی تھی۔

فریدی نے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تخت عقرب روشنی میں دمک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ارسلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی بچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر رس رہی تھیں۔

گولی اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

"میرا.... ہائے....!" وہ ایک بار پھر تڑپا اور زمین پر آرہا۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

دفعتاً فریدی کو اس ساتھی کا خیال آیا جس کے گولی لگی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور گرے ہوئے ساتھی پر جھک پڑا۔ یہ کیپٹن حامد تھا۔ گولی اس کی ران میں لگی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ فریدی زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال کے مطابق ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ گولی نے صرف گوشت کو چھیدا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جاوید باہر سے مدد لے آیا اور وہ سوراخ کھود کھود کر بڑھایا گیا جس سے وہ اندر آئے تھے۔ بھٹاگر اور اس کے بے ہوش ساتھی وہاں سے اٹھوائے گئے۔ کیپٹن حامد کو بھی

نکالا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ارسلانوس کی لاش اٹھوائی گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی موت کے بعد حمید کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کا سین وہ کافی عرصے تک نہ بھلا سکے گا۔ اس کے خیال کے مطابق ارسلانوس بُرا آدمی نہیں تھا۔ اسے اس بے پناہ دولت نے پاگل بنا دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اسی رات کو مار ڈالتا جب وہ پہلی بار گڑھی میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی بھی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور وہ اس کی روشنی میں باؤلی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ دیکھو.....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "اوپر باریک باریک تار نظر آرہے ہیں وہ کھوپڑیاں انہیں تاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ شاید ارسلانوس نے بھولے بھٹکے آدمیوں کو ڈرانے کے لئے یہ سارا انتظام کیا تھا تاکہ یہاں کے آسیبی قصوں کی شہرت ہو اور لوگ ادھر آنا ہی چھوڑ دیں۔ غالباً ہمیں بھی وہ اسی لئے یہاں اٹھا لایا تھا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ ارسلانوس کی موت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ارسلانوس کی موت جیسے شاید وہ کبھی نہ بھلا سکے۔ اس نے اس سے پہلے بھی سینکڑوں موتیں دیکھی تھیں کئی خود اس کی گولی کا نشانہ بنے تھے لیکن وہ کسی کی موت سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔

پردہ اٹھتا ہے

دوسرے دن دوپہر کو صولت مرزا کی حویلی کے وسیع ہال میں ضلع کے سارے بڑے بڑے حکام جمع تھے۔ تختِ عقرب درمیان میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین چار من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات کی قیمت کے متعلق کوئی خیال آرائی بھی نہ کر سکا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ فریدی کی تقریر بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ شروع سے ساری داستان بیان کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک سوال کیا۔

"کیا ارسلانوس اس تخت پر عرصے سے قابض تھا۔"

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب خاموش تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔

"یقیناً وہ اس پر عرصے سے قابض تھا۔" اس نے کہا۔ "اس کا ثبوت اس ڈائری سے ملتا ہے۔ یہ ارسلانوس کی ڈائری ہے۔ میں آپ کو اس کے بعض خاص خاص حصے سناتا ہوں۔"

۲۶ر مئی ۱۹۲۸ء، مجھے حیرت ہے کہ میں آج خوشی سے مر کیوں نہ گیا۔ میں نے تخت عقرب تک کا راستہ پالیا ہے۔ وہ تخت مجھے مل گیا ہے جسے میں جنوں اور پریوں کی کہانی کا کوئی تخت سمجھتا تھا۔ میرے خدا اتنی دولت اب میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ ملک کا دولت مند ترین آدمی۔ میں نے وہ راستہ بند کر دیا ہے جس کے ذریعے سے تخت عقرب تک پہنچا ہوں اور اوپر کے سارے نشانات بھی مٹا دیے ہیں۔ ایک دوسرا راستہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔ "اب اس کے پاگل پن کی وجہ بھی سنئے۔"

"لکھتا ہے۔ اوہ میرے خدا میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے جاؤں۔ اس تخت نے میری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ دن کا سکون چھین لیا ہے۔ میں اسے کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے بہت سارے ورق الٹ ڈالنے کے بعد پھر مجمع کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "اب اس وقت کی تحریریں سنئے۔ جب سے میں اس المیئے میں داخل ہوتا ہوں میں تو اسے المیہ ہی کہوں گا۔ مجھے مرنے مرانے سے گہری ہمدردی ہے۔۔۔۔ سنئے۔"

گئی رات دو آدمی اس شیطانی کتے کو اس منارے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حماقت پر ہنسی آئی اور ان کی دلیری پر عش عش کرتا رہ گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تخت عقرب کی تلاش میں نہ ہوں۔ اتفاقاً ان پر ایک دیوار آگری اور میں انہیں تہہ خانے میں اٹھا لایا اور پھر میں نے انہیں ڈرانے کی اسکیم بنائی تاکہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ میں نے تین چار انسانی کھوپڑیوں کو جو مجھے اسی تہہ خانے میں ملی تھیں پتلے پتلے تاروں پر نچانا شروع کیا۔ ان میں قندیلیں بھی روشن کر دیں۔ ایک آدمی کو ہوش آیا۔ وہ واقعی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی ہراس نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ریوالور سے ان کھوپڑیوں پر گولی بھی چلانی چاہی۔ میں نے ایک چمگادڑ اس کے ہاتھ پر کھینچ مارا۔ ریوالور زمین پر گر پڑا۔ جسے میں نے تار میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیا۔ لیکن وہ پھر بھی خائف نہ ہوا۔"

"کیا وہ تم تھے؟" کئی آوازیں آئیں۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب آگے سنئے۔ ارسلانوس نے اس شیطانی چرخے میں نواب صاحب اور ان کی صاحبزادی کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے متعلق بھی اس نے تحریر کیا ہے۔"

"لکھتا ہے.....!میں نے انسپکٹر فریدی کو بیوقوف بنانے کے لئے ایک دوسری چال چلی ہے۔ خدا کرے وہ دھوکا کھا جائے۔ اگر یہ داؤ اس پر چل گیا تو وہ اسے سو فیصدی آسیبی معاملہ سمجھ کر اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے لئے میں جمیلہ کا فاؤنٹین پن چرا کر یدھ راج گڑھی کے اسی ڈھیر پر ڈال آیا ہوں جس میں فریدی اور حمید دب گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم دن میں تو ادھر ضرور ہی آئیں گے۔"

پھر فریدی نے فاؤنٹین کا قصہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس کی آخری تحریر بھی سن لیجئے۔ لکھا ہے کل رات کو دیر تک یدھ راج گڑھی میں گولیاں چلتی رہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریدی وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اور تخت عقرب کے چکر میں ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ کیا اب یہ تخت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیا وہ اب میرا نہ رہے گا جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر حاصل کیا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے۔ وہ میرے لئے قیامت کی گھڑی ہوگی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہم لوگ آپ کے اس کارنامے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" کمشنر نے اٹھ کر کہا۔

"شکریہ۔" فریدی جھک کر بولا۔ "لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ تخت نشینی ایک ضمنی دریافت تھی۔ میں تو اس کتے کی آواز کا راز جاننے کی فکر میں تھا۔"

"ہمیں آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ اس میں بھی کامیاب ہوں گے۔" کمشنر نے کہا۔

شام ہوتے ہوتے تخت عقرب ملٹری کے پہرے میں وہاں سے اٹھوا کر ایک فوجی لاری میں رکھوا لیا گیا اور اسے سرکاری خزانے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ شاہی نقارہ ڈاکٹر بھٹناگر کے قبضے سے برآمد کیا گیا۔ بیچ اس پر بچھو کے ڈنگ کی تصویر کندہ تھی اور اس میں نقشہ بنا ہوا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر فریدی صولت مرزا کو مہمل اشعار کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

"نقارے میں ڈنگ کا مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے۔ اب آگے چلئے۔ بچھو پر الو بیٹھے گا۔ معاف

کیجیے گا۔ یہ اشارہ مجھے آپ ہی کے خاندان کے افراد کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس کتبے کا تعلق بھی آپ ہی کے کسی بزرگ سے رہا ہوگا۔ جبھی انہوں نے اُلو کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ بدھ راج کے بعد سے ارسلانوس پہلا آدمی نہیں تھا جس نے اس تحت کو اپنی ملکیت سمجھا ہو۔ آپ کے خاندان کے بھی کچھ بزرگوں کی رسائی اس تک ہوگئی تھی۔ ورنہ بدھ راج کے زمانے میں اُلو کا کیا تذکرہ اور پھر ان اشعار کی زبان میر و سودا کے زمانے سے بہت پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ بدھ راج تو..... اکبر کے زمانے میں تھا۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "اب صرف دو مسئلے اور رہ گئے ہیں۔ پہلا تو کتے کی آواز اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا۔"

"ہوگا بھئی.... مارو گولی۔" صولت مرزا اکتا کر بولا۔ "کم بختوں نے جمیلہ کی تو جان ہی لے لی۔"

"اب کیا حال ہے کچھ بولتی ہے یا نہیں۔"

"صرف دو باتیں کہتی ہے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کبھی پوچھتی ہے کہ میں کس طرح جلی اور کبھی کہتی ہے کہ میں وہی ڈرامہ دیکھوں گی جو میں نے انگلینڈ میں دیکھا تھا۔"

بس یہی دو باتیں۔

"کیسا ڈرامہ.....!" فریدی چونک کر بولا۔

"ارے بھئی کیا بتاؤں۔ اس کے اس کہنے پر مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید اس پر اسی ڈرامے کے دیکھنے کے بعد دورہ پڑا تھا۔"

"ڈرامے کی نوعیت یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نوعیت کیا؟ نام ہی یاد ہے۔ انطونی اور قلوپطرہ ڈرامہ تھا۔"

"مصر قدیم کے افراد.....!" فریدی زیرِ لب بڑبڑایا۔ پھر صولت مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تو وہ دورہ کس طرح پڑا تھا۔"

"جمیلہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ جب ڈرامہ شروع ہوا تو میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد مجھے یہ شک گزرا تھا کہ جمیلہ جاگ تو رہی ہے مگر شاید اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"اوہ..... سو فیصدی یہی بات رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا اس سے پہلے بھی کبھی

انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"میری یادداشت میں تو کبھی نہیں۔" صولت مرزا بولا۔ "جب سے چلی ہے تبھی سے رٹ رہی ہے۔"

"ہوں.... اچھا کیا اس ڈرامے میں بھی آگ لگنے کا کوئی منظر تھا۔"

"اب تو اتنا مجھے یاد نہیں۔"

"ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ صولت مرزا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھئے.... اس قسم کی ذہنی بیماریوں کا سبب معلوم ہو جانے پر مریض خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جمیلہ صاحبہ کو وہ پچویشن یاد آگئی ہے جہاں سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ مجھے تو یقین ہے کہ اب ان پر دورے نہ پڑیں گے اور اگر اب بھی دورے پڑتے رہیں تو آپ انہیں ضرور کسی سائیکلو انیلیسٹ کو دکھا دیجئے گا۔ مرض کے شروعات کے وقت کی پچویشن تو اب آپ کو یاد آہی گئی ہے۔ محض اسی نکتے سے وہ ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے مرض دور کر دے گا۔"

فریدی کی گفتگو سے صولت مرزا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید راج گڑھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے۔ فریدی اس مینارے کو کھلوانے کا اجازت نامہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ مزدوروں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر دروازے میں چنی ہوئی اینٹیں الگ کر دیں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی دو تین چمگادڑیں نکل کر اجالے میں چکرانے لگیں۔ وہ چکردار زینے طے کرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ حمید دل ہی دل پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس معاملے میں اسے ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انسانی کارنامہ نہیں ہے۔ آخری سیڑھیوں پر پہنچ کر فریدی روشندان سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے قریب قریب ہر روشندان سے باہر جھانکا اور پھر اچانک ایک روشندان پر اس کی نظریں جم گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے روشندانوں سے اس کا موازنہ کر رہا ہو۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ آؤ واپس چلیں۔ اس وقت تو بس کوفت ہو گئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معاملہ ہوگا۔ کیا دھرا ہے

اس میں۔"

"آخر کیا بات ہے؟"

"بہت سامنے کی بات ہے پیارے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو اس طرح شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا کسی مزدور سے ایک آدھ بالٹی.... پانی منگوالو۔"

"کیا مطلب....!"

"او حمید کے بچے کبھی کبھی مطلب پوچھے بغیر بھی کوئی کام کر ڈالا کرو۔"

حمید نیچے اترنے لگا۔ اس وقت پھر بارش کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ مغرب سے سیاہ اور بوجھل گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے منارہ ہل رہا ہو۔ نیچے صولت مرزا اور اس کے دوست بھی کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں بھئی کیا رہا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"فی الحال ایک بالٹی پانی ہونا چاہئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پانی.... پانی کیا ہو گا۔"

"کتا پیاسا ہے۔"

"کتا....!"

"جی ہاں اوپر تشریف لے جائیے۔"

صولت مرزا کے ساتھ اس کا ایک نوکر بھی تھا جو اس کے اشارے پر پانی لینے کے لئے چلا گیا اور وہ لوگ منارے پر چڑھنے لگے۔ فریدی دیوار سے لگا ہوا سگار پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آخر تم نہ مانے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"بھلا مانتا کیسے، جب کہ یہ ساری مشقت میں نے اسی لئے برداشت کی تھی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ مایوسی کیوں؟"

"اسلئے کہ ایک بہت ذرا سی بات سینکڑوں برس سے لوگوں کے خوف کا باعث بنی ہوئی ہے۔"

"آخر کیا....؟"

"ذرا پانی آجانے دیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد پانی آ گیا اور فریدی نے روشندان پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" فریدی نے کہا اور بالٹی روشندان کے اوپر بنی ہوئی ایک کارنس پر رکھ دی اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے بھگو کر اس کا ایک سرا بالٹی میں ڈال دیا اور دوسرا روشندان پر لٹکا دیا۔ اس سے روشندان پر پانی ٹپکنے لگا۔

"ابھی کافی دیر لگے گی۔" فریدی نے کہا۔ "آیئے میں آپ کو وہ باؤلی دکھاؤں جہاں تخت عقرب رکھا ہوا تھا۔"

حمید کو اس نے وہیں روک کر روشندان کو تر کرتے رہنے کے لئے کہا اور مرزا وغیرہ کو لے کر نیچے اتر گیا۔

وہ تقریباً تین چار گھنٹے تک باؤلی میں رہے۔ انہوں نے وہ راستہ تلاش کر لیا جسے ارسلانوس نے بند کر دیا تھا۔

جب وہ گڑھی سے نکل رہے تھے تو انہوں نے کتے کے رونے کی آواز سنی۔ فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ لیکن دوسرے لوگ بدحواس ہو گئے۔

"گھبرایئے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس بھوت کو بھی پکڑ لیا ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

مینار کے قریب پہنچ کر فریدی نے دیکھا کہ حمید مینار سے بہت دور کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا ہے۔

کتا رہ رہ کر رو رہا تھا۔

"کیوں حمید کیا بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا شیطان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر.... آؤ میرے ساتھ...." فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

تقریباً سب ہی اوپر جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ بدقت تمام وہ انہیں اوپر لے گیا۔ بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ لیکن کتے کے رونے کی آواز بدستور جاری تھی اور یہاں یہ اتنی تیز تھی کہ ان کے کان پھٹے جا رہے تھے۔

"یہاں اودھر روشندان میں دیکھئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس لکڑی کے فریم کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بغیر بھی روشندان بنایا جاسکتا تھا اور پھر دیکھئے کہ اس میں سوراخ کی کیا ضرورت تھی۔ روشندان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک دو انچ قطر رکھنے والا سوراخ بنادیا جائے۔ ہاں تو اب دیکھئے لکڑی کے بھیگنے کی وجہ سے یہ سوراخ پہلے سے زیادہ تنگ ہو گیا ہے اور سامنے والے بڑے روشندان سے آنے والے ہوا کے جھونکے جب اس سوراخ سے گزرتے ہیں تو یہ آواز پیدا ہوتی ہے جب یہ خشک ہو کر کشادہ ہو جاتا ہے تو یہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔"

"مگر اس طرح آواز کیسے....!" ایک صاحب نے کہا۔

"کبھی بانسری بجائی ہے آپ نے۔" فریدی نے کہا۔ "بانسری کی آواز کا دارومدار بھی تو سوراخوں پر ہوتا ہے۔ ہاں تو نواب صاحب یہ دراصل ایک اشارہ تھا جسے لوگوں نے آسیبی خلل سمجھ لیا۔ یہ اشارہ اس بات کا تھا کہ اب اس قریب کی ندی میں سیلاب آنے والا ہے۔ یعنی اتنی بارش جس سے بھیگ کر یہ سوراخ اس قدر تنگ ہو جائے کہ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ندی میں سیلاب کی اطلاع لانے کے لئے یہ آواز کافی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بدھ راج کے زمانے میں لوگ اس سے واقف رہے ہوں گے اور اس کی پہلی آواز پر گاؤں خالی کرنا شروع کر دیتے رہے ہوں گے۔"

سب لوگ پر سکوت انداز میں فریدی کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کوئی نہ بولا۔

"آج بھی یہ کنارو رہا ہے۔" فریدی آنکھ مار کر بولا۔ "لیکن آج سیلاب نہیں آئے گا۔ ویسے گاؤں والوں میں ہلچل ضرور پیدا ہو گئی ہو گی اور وہ بھاگ بھی رہے ہوں گے۔"

"بھئی خدا کی قسم! تم سے بڑا بھوت بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" صولت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"آئیے اب چلیں۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بے چارے گاؤں والے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے؟"

راستے میں فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔"

"اب شاید آپ میری منہ سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"حالانکہ نواب صاحب نے بڑے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف کر دی ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔ گاؤں میں انتشار پھیل گیا تھا۔ صولت مرزا نے فوراً ہی ندی کے کنارے بسے ہوئے لوگوں میں آدمی دوڑا دیے تھے جو لوگوں کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جب تک کھڑکی بھیگی رہی کتے کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

اسی شام کو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر بھٹناگر نے نہ جانے کس طرح حوالات میں خودکشی کر لی، اس طرح فریدی اپنے ایک سوال کے جواب سے محروم رہ گیا۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔

رات کو کھانے کی میز پر شکیلہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "ان واقعات کی رپورٹ کی ایک کاپی اپنے دستخط سمیت مجھے بھی بھجوائیے گا۔"

"خدا کے لئے اب آپ اپنی شادی کر لیجئے۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے کان میں کہا اور فریدی دانت پیس کر رہ گیا۔ اگر صولت مرزا وغیرہ موجود نہ ہوتے تو وہ حمید کی پیٹھ پر ایک زوردار گھونسہ ضرور رسید کر دیتا۔ بہرحال وہ سب حمید کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور فریدی دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔"

ختم شد